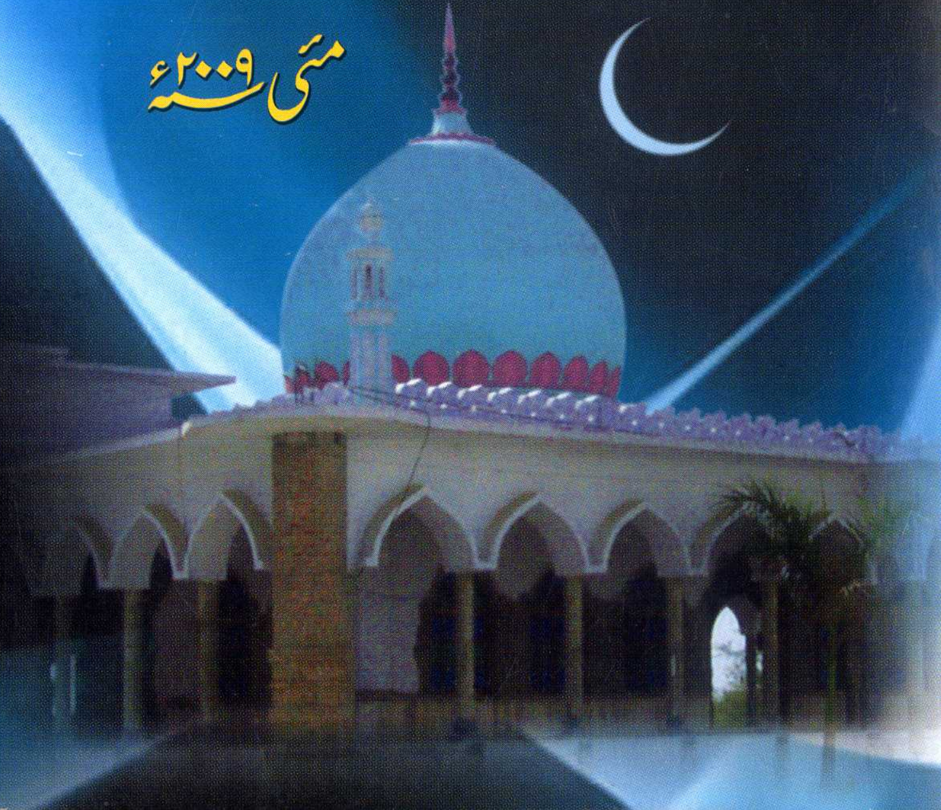
الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی و علمی ترجمان

ماہنامہ

اشرفیہ

مبارکپور

مئی ۲۰۰۹ء



مبارک حسین مصباحی

۷۸۶

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان

بیادگار: حضور حافظِ ملت علامہ شاہ الحاج عبدالعزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

زیرِ سرپرستی:

عزیزِ ملت حضرت علامہ شاہ الحاج عبدالحفیظ صاحب قبلہ سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ

ماہنامہ اشرفیہ

مئی ۲۰۰۹ء

جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ

جلد نمبر ۳۳ شمارہ ۵

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ

دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارکپور

اعظم گڑھ یو۔ پی۔ ۲۷۶۴۰۴

THE ASHRAFIA MONTHLY

Mubarakpur. Azamgarh

(U.P.) India. 276404

قیمت عام شمارہ: 15 روپے

سالانہ: 150 روپے

چیک اور ڈرافٹ

بنام

مدرسہ اشرفیہ

بنوائیں

کوڈ نمبر ———— 05462

دفتر ماہنامہ اشرفیہ ———— 250149

الجامعۃ الاشرفیہ ———— 250092

دفتر اشرفیہ ممبئی فون/فیکس 23726122

سری لنکا، بنگلا دیش، پاکستان، سالانہ

500 روپے

دیگر بیرونی ممالک

$ 20 امریکی ڈالر / £ 15 پونڈ

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org E.mail: info@aljamiatulashrafia.org

مولانا محمد ادریس مصباحی نے نشاط آفسیٹ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

نگارشات

خصوصی شمارہ

مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے زیر اہتمام

منعقدہ سولہویں فقہی سمینار کی

تفصیلی رپورٹ

سولھواں فقہی سمینار

اجتماعی نقطۂ نظر کی بالادستی کے لیے مسلسل جد و جہد

مبارک حسین مصباحی

میں یہ سطریں لکھ رہا ہوں تو ملک میں لوک سبھا الیکشن کا بگل بج چکا ہے، ہر طرف گہما گہمی کا عالم ہے۔ ہر پارٹی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مسلم ووٹروں کی طرف دیکھ رہی ہے اور مسلم ووٹر ایک ایسے چوراہے پر کھڑا ہے جس کے سامنے ہر راستہ خاردار اور پر خطر ہے، اور اس پر بھی قیامت یہ کہ مسلم قوم کسی ایک طرف جانے کے لیے تیار نہیں۔ ہر نکڑ پر ایک مسلم قائد کھڑا ہے جو مسلم ووٹوں کو اپنے مطلب کی پارٹیوں کی جانب آواز دے رہا ہے۔ مسلم قوم کو بے اثر بنانے اور منتشر کرنے کے لیے یہی بہت کچھ تھا، مگر افسوس جو کچھ اتحاد باقی تھا، اس کسر کو پوری کرنے کے لیے ملک بھر میں دو درجن سے زیادہ مسلم پارٹیاں سامنے آگئی ہیں۔ ہر پارٹی ملی انتشار کا غم اور ملی مسائل کا درد لے کر سامنے آئی ہے۔ اب صورتِ حال یہ ہے، جن حلقوں میں مسلم ووٹ زیادہ ہے وہاں مسلم امیدوار بھی زیادہ ہیں۔ نتیجہ سامنے ہے کہ مسلم ووٹ بکھر جائے گا اور مسلم دشمن عناصر منتخب ہو جائیں گے۔ معاف کیجیے اس میں عوام کی کوئی غلطی نہیں۔ اس کے لیے اصل مجرم ہے مسلم قیادت کی فراوانی اور اسی کا دوسرا نام ہے مسلم قیادت کا فقدان۔ اس لیے مسلم عوام سے ہماری اپیل ہے کہ سیاسی بازی گروں کے چکر میں نہ آئیں بلکہ متحد ہو کر سیکولر کینڈیڈیٹ کو کامیاب بنائیں تاکہ جو کامیاب ہو اس کی گردن پر ہمارا احسان بھی ہو، جہاں تک ممکن ہو مسلم ووٹ کو ضائع ہونے سے بچائیں۔ اس بار ''بزم دانش'' کا یہی موضوع تھا، گراں قدر تحریریں بھی آئیں، مگر افسوس قلت صفحات کے پیشِ نظر ہم انھیں شاملِ اشاعت نہ کر سکے۔

پیش نظر شمارہ ایک فقہی دستاویز ہے، مجھے جامعہ اشرفیہ میں منعقد ہونے والے سولہویں فقہی سمینار کے حوالے سے لکھنا ہے۔ یہ سمینار 14/15/16 رفروری 2009ء کو عظیم الشان پیمانے پر منعقد ہوا جس میں ملک اور بیرون ملک سے ایک سو سے زائد علماے کرام اور مفتیانِ عظام نے شرکت فرمائی۔ دورانِ سمینار فیصلوں پر مشتمل نشستوں کی خبریں ملک کے اردو اخبارات میں شائع ہوتی رہیں۔ سمینار میں سات نئے موضوعات تھے، جب کہ ایک مسئلہ گزشتہ سمینار کا بطور قرض چلا آ رہا تھا ''طویل المیعاد قرض پر زکاۃ کا حکم'' یہ مسئلہ اس بار بہ اتفاقِ راے حل ہو گیا۔ امسال کے حل طلب سات مسائل یہ تھے:

(1) میوچول فنڈ کی شرعی حیثیت (2) پرافٹ پلس کی شرعی حیثیت (3) درآمد برآمد ہونے والے گوشت کا حکم (4) جدید مسعیٰ میں سعی کا حکم (5) غیر رسم عربی میں قرآن حکیم کی کتابت (6) فلیٹوں کی حیثیت زکاۃ کے نقطۂ نظر سے (7) طویلے کے دودھ اور جانوروں کا مسئلہ۔

سہ روزہ سولھواں فقہی سمینار 14 رفروری صبح ساڑھے آٹھ بجے سے شروع ہوا۔ کل چھ نشستیں ہوئیں۔ مسلسل نظامت کے فرائض مجلس شرعی کے ناظم حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی صاحب نے انجام دیے۔ علمی نشستوں میں ناظم کا کردار بڑا اہم ہوتا ہے۔ بحث کا رخ متعین کرنا، بحث کو پھیلا دینا اور جب چاہے سمیٹ دینا یہ ایک حساس، دور اندیش اور وسیع النظر ناظم کا کمال ہوتا ہے۔ حضرت مفتی محمد نظام الدین صاحب میں یہ خوبیاں موجود ہیں۔ واضح رہے کہ بحثوں میں اصاغر و اکابر برابر شریک ہوتے ہیں۔ ہر ایک کو اپنی بات کہنے کا حق ہوتا ہے، فیصلے اکابر و اصاغر کی متفقہ راے سے لکھے جاتے ہیں۔ اہل سنت و جماعت جدید فقہی مسائل کے حوالے سے سخت انتشار اور مایوسی کا شکار تھے۔ مجلس شرعی نے اس سمت میں ایک تاریخی کارنامہ انجام دیا ہے اور اجتماعی نقطۂ نظر کی بالادستی قائم کی ہے۔ اتنی تیزی سے مسائل حل کیے ہیں کہ اب مجلس شرعی کو سمینار کے لیے حل طلب مسائل کی تلاش ہے۔

اس بار ربیع الاول شریف کے موقع پر سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلسوں میں شرکت کے لیے ملک کے مختلف گوشوں کا سفر ہوا حیدر آباد، ممبئی اور سورت وغیرہ کے بعض علاقوں میں مذہبی فضا بڑی مکدر نظر آئی۔ اہل سنت و جماعت مختلف خیموں میں بٹے ہوئے ہیں۔ باہم ایک

دوسرے کے خلاف پمفلٹ، پوسٹرس اور سی ڈیز تقسیم کی جارہی ہیں، افہام و تفہیم کی کوئی گنجائش نہیں بس دیکھتے ہی گولی مارنے کا حکم...... حالاں کہ انھیں علاقوں میں دیو بندیت، غیر مقلدیت اور قادیانیت بڑی تیزی سے بڑھ رہی ہے، تبلیغی جماعت کے مسلسل اجتماعات ہورہے ہیں۔ اس سفر کے دوران مجھے ان باطل فرقوں کے خلاف نہ کوئی پوسٹر نظر آیا اور نہ کسی نے پمفلٹ اور سی ڈیز دیں۔ یہ ایک لمحۂ فکریہ ہے۔

ایسا نہیں کہ سارے لوگ باہمی جدال و نزاع میں ملوث ہیں۔ اکثریت آج بھی ایسے علما اور ائمہ کی ہے جو مثبت اور تعمیری فکر رکھتے ہیں۔ دورانِ سفر بعض مخلص علما نے فرمایا مجلس شرعی مبارک پور کو ان اختلافی مسائل کا حل پیش کرنا چاہیے۔ میں نے کہا مسائل کا حل ہے نفسانیت کا نہیں۔ فروعی مسائل میں اختلافات کوئی نئی بات نہیں۔ مسائل سب حل ہیں، اگر کچھ لوگوں کا مقصد ہی مسائل پیدا کرنا اور انھیں باقی رکھنا ہو تو اس میں مجلسِ شرعی مبارک پور اور شرعی کونسل بریلی شریف کیا کرسکتی ہے۔ اس کو آپ یوں سمجھیے کہ بعض لوگوں کا مقصد ہی دہشت گردی پھیلانا اور امن غارت کرنا ہے۔ اگر ان سے امن کی بات کی جاتی ہے تو وہ اس کے لیے قطعاً تیار نہیں ہوں گے، کیوں کہ ان کا اقتدار اور روٹی روزی دہشت گردی سے جڑی ہوی ہے۔ مثال تلخ ضرور ہے مگر مبنی بر حقیقت اور عین مطابقِ حال ہے......

خیر مجلس شرعی مبارک پور کو حل طلب جدید فقہی مسائل کی تلاش ہے۔ اس کا بنیادی مقصد اجتماعی طور پر فقہی مسائل کا حل تلاش کرنا ہے اور یہ اپنے مقصد میں صدفی صد کامیاب ہے۔ عالم سنیت مجلس شرعی کے طے شدہ مسائل پر عمل کررہا ہے۔ برصغیر کے رسائل و جرائد اور مغربی ممالک کے سنی ذرائع ابلاغ مجلس کے فیصلوں کو نشر کررہے ہیں اور مفتیانِ عظام انھیں کے مطابق فتاویٰ صادر فرمارہے ہیں۔

مجلسِ شرعی کے سولہویں فقہی سیمینار میں مختلف نشستوں کی صدارت حسب ذیل اکابر اہل سنت نے فرمائی: بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی، عزیز ملت علامہ شاہ عبد الحفیظ صاحب، محدث جلیل علامہ عبد الشکور مصباحی، صدر العلما علامہ محمد احمد مصباحی، مفتی مجیب اشرف ناگ پوری، مفتی شبیر حسن رضوی رونا ہی۔ سیمینار میں شریک باقی اکابر، علما اور اہل افتا کی فہرست آپ اسی شمارے میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

سیمینار میں گزشتہ مسئلہ کو لے کر آٹھ مسائل پیش نظر تھے، مگر بحثیں صرف پانچ مسائل پر ہوسکیں، جو بفضلہ تعالیٰ باتفاق رائے طے ہو گئے۔ یہ پانچوں فیصلے حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی ناظم مجلس شرعی کے قلم سے شامل اشاعت ہیں، حل شدہ پانچوں مسائل پر مقالات کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(1) میچول فنڈ کی شرعی حیثیت -- اس موضوع پر 20/ مقالات موصول ہوے، جن کے صفحات کی مجموعی تعداد 67/ تھی۔

(2) پرافٹ پلس کی شرعی حیثیت -- اس موضوع پر 19/ مقالات موصول ہوے جن کے صفحات کی مجموعی تعداد 47/ تھی۔

(3) طویل المیعاد قرض اور ان کے احکام -- اس موضوع پر 29/ مقالات موصول ہوے، جن کے صفحات 110/ تھے۔

درآمد برآمد ہونے والے گوشت کا حکم -- اس موضوع پر مقالات 29/ اور صفحات کی تعداد 102/ تھی۔

(5) جدید مسعیٰ میں سعی کا حکم -- اس موضوع پر 21/ مقالات پیش ہوے، جن کے صفحات کی تعداد 98/ تھی۔

ایک ایک مسئلہ پر مقالات کی تلخیصات پیش کی گئیں، تنقیح طلب امور پر بحثیں ہوئیں اور فقہ حنفی کی روشنی میں جس نقطۂ نظر پر اتفاق ہوا اسے فیصلے کے طور پر نوٹ کیا گیا۔

آخری اجلاس کے نصف آخر میں مندوبینِ کرام نے اپنے گراں قدر تاثرات پیش کیے، جنھیں آپ اسی شمارے میں پڑھ سکتے ہیں۔

عزیز ملت حضرت علامہ عبد الحفیظ صاحب نے اپنے آخری خطاب میں دو تجاویز پیش کیں جن کی تائید تمام شرکا نے جذباتی انداز سے کی:

(1) مرکزی وزیر مسٹر ارجن سنگھ نے کہا ہے کہ مدارس میں مخلوط تعلیم ہونا چاہیے اور اس کی تائید مغربی بنگال کے وزیر تعلیم نے بھی کی ہے، اجلاس اس غیر اسلامی نظریہ کی سخت مخالفت کرتا ہے۔ اسلام میں پردہ کی بڑی اہمیت ہے، جسے کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

(2) داڑھی رکھنا اسلامی شعار ہے اور واجب ہے، لہذا ہم حکومت سے پر زور اپیل کرتے ہیں کہ وہ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرے۔ مسلم ملازمین خواہ وہ کسی شعبے میں ہوں داڑھی رکھنے کی عام اجازت دے۔ حضرت عزیز ملت نے اپنے خطاب میں تمام شرکا کا شکریہ ادا کرتے ہوے میڈیا کا بھی شکریہ ادا کیا، جس نے پورے ملک اور بیرون ملک سیمینار کے فیصلوں کو عوام تک پہنچایا۔

خطبۂ استقبالیہ

از: عمدۃ المحققین صدر العلما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی
صدر مجلسِ شرعی و شیخ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ—　　نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم　　اما بعد!

فقد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین" صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

درود شریف پڑھ لیں! اللھم صلِّ علیٰ محمد و الہ و صحبہ و بارک وسلم.

مجلس شرعی کا یہ سولہواں فقہی سیمینار ہے جس میں آپ حضرات سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے تشریف لائے۔ میں آپ سبھی حضرات کا خیر مقدم کرتا ہوں۔ یقیناً اس اجلاس میں شرکت کے لیے آپ نے پہلے سے مطالعہ کیا ہے، تیاری کی ہے، مقالات لکھے ہیں اور پھر بحث و مذاکرہ کے لیے یہاں تشریف لائے ہیں۔ ایک اجلاس وہ ہوتا ہے کہ چلی چلائی تقریر ہے جسے سال بھر تک کرتے چلے آئے ہیں۔ اب کسی نئے مقام پر پہنچے، مضمون ذہن میں ازبر ہے۔ اجلاس میں شرکت کی اور سنا دیا۔ لیکن یہ وہ اجلاس نہیں ہے کہ یہاں سال بھر کی دُہرائی ہوئی تقریر ایک بار کر دینی ہو۔ یقیناً اس میں شرکت کے لیے جو دیے گئے موضوعات ہیں، ان پر مطالعہ کرنا، ان کے گوشوں کو دیکھنا، سمجھنا اور حل کرنا یہ ہر مندوب کی ذمہ داری ہوتی ہے اور اس ذمہ داری کو انجام دیتے ہوئے مقالہ رقم ہوتا ہے اور مجلس شرعی کو بھیجا جاتا ہے اس کے بعد مزید بحث و تنقیح کے لیے یہ نشستیں منعقد ہوتی ہیں۔ اس لیے آپ حضرات کی جو سابقہ محنتیں اور کاوشیں ہیں وہ بھی قابلِ مبارک باد اور لائقِ صد تحسین ہیں۔

بعض مقالات میں نے دیکھے، کافی بحث و جستجو کے ساتھ اور تمام گوشوں کا احاطہ کرتے ہوئے لکھے گئے ہیں۔ ایسے مقالات اور زیادہ تعریف و تحسین کے مستحق ہیں۔ پھر مقالہ بھیجنے کے بعد آپ کا یہاں تشریف لانا اور مسائل کو حل کے مرحلے تک پہنچانا یہ آپ کا مزید کارنامہ ہوگا جس پر ہم آپ کے شکر گزار ہیں اور آپ حضرات کی خدمت میں جو کچھ بھی کوتاہی ہوئی ہو یا ان تین دنوں کے دوران ہو اس کے لیے بھی پیشگی معذرت خواہ ہیں۔ جہاں تک ہوسکتا ہے کوشش کی جاتی ہے کہ انتظام صحیح رہے اور کچھ کمی رہ جاتی ہے تو اس کے بارے میں ہمیں امید ہے کہ آپ حضرات نظر انداز فرمائیں گے۔ جو مشقتیں آپ نے اس علمی خدمت کو انجام دینے کے لیے جھیلی ہیں، اگر کچھ کمی رہ جاتی ہے تو ان کی بہ نسبت یہ بہت معمولی ہوگی اور آپ حضرات اسے معاف فرماسکتے ہیں، آئندہ کے لیے آپ حضرات نشان دہی بھی فرماسکتے ہیں تا کہ جو خامیاں ہوں ان کو آئندہ نہ رہنے دیا جائے اور درست کیا جائے۔

جماعتی مسائل

اس کے بعد میں کچھ اور عرض کرنا چاہتا ہوں: جو موضوعات ہیں ان پر تو آپ بحث کریں گے ہی لیکن، ہمارے کچھ جماعتی مسائل بھی ہوتے ہیں جن پر ہمیں توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ آج یہ کوشش ہونی چاہیے کہ ہمارے افراد مختلف شعبوں میں پہنچیں اور مختلف شعبوں میں کام کریں۔ مثلاً:

(1) صحافتی لائن میں ہمارے لوگ بہت کم نظر آتے ہیں، اب اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے مفتی آل مصطفیٰ صاحب کے ایک مضمون پر اعتراض راشٹریہ سہارا میں چھپا اس کا جواب انھوں نے تیار کیا تو اس اخبار کے آٹھ نو ایڈیشن نکلتے ہیں، کسی میں وہ چھپ نہیں رہا ہے، پہنچ گیا ہے اور شائع نہیں ہورہا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ دوسرے وہاں پر براجمان ہیں اور وہ مسلکی تعصب کی بنا پر ہماری خبریں یا تو چھاپتے ہی نہیں یا چھاپتے ہیں تو بہت ہلکی اور ایسے انداز میں کہ عام قارئین کی نظر وہاں نہ پہنچے۔

(2) اسی طرح سیاسی میدان میں بھی خلا نظر آتا ہے۔ کوئی بات حکومت تک پہنچانی ہو تو اس کے لیے بااثر افراد اور ذرائع کی ضرورت ہے۔ حکومت کی طرف سے جو مراعات عام مسلمانوں کے لیے ہوتی ہیں، ان کو حاصل کرنا ہو، مدارس کے لیے اور قوم مسلم کے لیے جو فوائد ہوں، ان کو حاصل کرنا ہو تو اس سلسلے میں ہمارے لوگوں کو خبر بھی نہیں ہوتی ہے اور دوسرے لوگ سب اُچک لے جاتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اس سلسلے میں ایک تو اپنے فارغین کی رہ نمائی کریں کہ وہ مختلف شعبوں میں، مختلف محکموں میں پہنچنے کی کوشش کریں اور کسی بھی شعبہ کو اپنا نشانہ بنا کر اس کے لائق مہارت، قابلیت اور اعلیٰ صلاحیت پیدا کریں۔

(3) دوسرے یہ کہ جو لوگ حکومت کے مختلف محکموں میں کام کر رہے ہیں اور ہماری جماعت سے وابستہ ہیں، ان سے ہم رابطہ رکھیں۔ ان کو قریب

کریں۔ مذہبی طور پر ان کو اپنی معلومات بہم پہنچائیں تا کہ وہ مسلک اور عقیدے کے لحاظ سے متصلب بھی ہوں اور ان کے اندر اپنی جماعت کے لیے کام کرنے کا جذبہ بھی پیدا ہو۔ رابطہ نہ رہنے کی وجہ سے جو افراد کام کرتے ہیں وہ یوں ہی بے سہارا رہتے ہیں اور دوسروں کی رو میں بہتے رہتے ہیں۔

[اس کے بعد حضرت بحر العلوم مدظلہ کی آمد اور صدر مجلس شرعی کی طرف سے خوش آمدید......]

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اپنے لوگ بہت سے مختلف محکموں میں کام کر رہے ہیں لیکن ہمارا ان سے کوئی رابطہ نہیں ہے، جس کی وجہ سے ہمارا کوئی کام وہ کرنا بھی چاہیں تو ان کو معلوم نہیں ہے اور وہ کر نہیں پاتے۔ اس لیے ان سے رابطہ رکھنے میں ان کا فائدہ تو یہ ہوگا کہ وہ مذہبی اعتبار سے متصلب ہوں گے، دینی معلومات ان کے پاس فراہم ہوں گی اور جماعت کا فائدہ یہ ہوگا کہ جماعتی کام ان کے ذریعہ انجام پاتے رہیں گے۔

اسی طرح کالجوں اور یونیورسٹیوں کی لائن میں جو طلبہ اور اساتذہ رہتے ہیں ان سے بھی ہمارا رابطہ ہو تو اپنے مسلک اور اپنے مذہب پر وہ پختگی کے ساتھ قائم رہ سکتے ہیں، ورنہ دوسرے پہنچتے رہتے ہیں اور جو اساتذہ اور طلبہ ہیں ان کو اپنی باتیں پلاتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ وہ راہ سے ہٹ جاتے ہیں۔ اگر ہمارا رابطہ ہو تو وہ ہماری راہ پر رہیں گے اور مضبوط اور ٹھوس بھی ہوں گے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ جماعتی کام بھی کریں گے۔

یہ راہیں اپنانا ہمارے لیے ناگزیر ہو چکا ہے اگر ہم صرف اپنی حدوں تک رہ گئے تو ہماری جماعت کے مسائل حل نہیں ہو سکیں گے اور اس طرح کے کام رکھے رہ جائیں گے۔

(4) اسی طریقہ سے ادبی میدان اور ادبی محکمے ہیں۔ ہمارے یہاں اہل قلم بہت سے ہیں لیکن جب اہل ادب کے طرز پر لکھا جائے یعنی عام ادبی موضوعات پر کسی کی تحریریں ہوں، نظم میں، نثر میں تو وہ اہل ادب کا مرکز توجہ بنتی ہیں۔ وہ ان پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں اور لکھنے والوں کو ادبا کی فہرست میں شامل کرتے ہیں۔ ہمارے یہاں صاحب طرز اور صاحب اسلوب شخصیتیں موجود ہیں لیکن ادبا میں ان کا شمار نہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم خود ان محکموں میں ہوں اور اپنا تعارف کرانے کی کوشش کریں اور ہمارے جو افراد وہاں پہنچے ہوئے ہیں ان سے ہمارا ربط ہو۔ ان سب چیزوں پر جماعتی انداز میں توجہ دینا اور اس کے ذرائع اور تدابیر بروئے کار لانا، یہ بھی آج کی ضرورت ہے اور ہم سب کو اس پر توجہ دینا چاہیے۔

(5) ایک اور اہم بات عرض کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ جو حضرات مختلف میدانوں میں کام کر رہے ہیں، ان کی ہمت افزائی بھی ہونی چاہیے مثال کے طور پر دعوت اسلامی اور سنی دعوت اسلامی کے لوگ، یہ عوام کے پاس جاتے ہیں، ان کو عقیدہ اور عمل کی تعلیم دیتے ہیں، ان کو راہ پر لاتے ہیں اور یہی صحیح جواب ہے اس تبلیغی جماعت کا جس نے ہماری بستیاں کی بستیاں خراب کر دیں اور پچاس سال تک ہم ان کے جواب میں صرف یہ کہتے رہے کہ تمہارے عمل کا کیا اعتبار، تمہاری نماز کا کیا اعتبار، بغیر ایمان کے نجات نہیں ہو سکتی۔ ایمان اگر ہے تو کسی نہ کسی مرحلہ میں نجات ہوگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب ہوگی۔ پچاس سال تک یہ جواب چلتا رہا، کچھ تقریروں کا اس سے استثنا کیا جا سکتا ہے۔ بات سو فی صد صحیح ہے۔ لیکن یہ عمل کی راہ سے آنے والے طوفانِ بد عقیدگی کا حل نہیں، بلکہ اس سے دو خرابیاں پیدا ہوئیں۔ یہ جواب صرف اسٹیجوں تک رہ جاتا ہے اور جو لوگ اس جلسہ میں حاضر ہوتے ہیں وہ مطمئن ہو جاتے ہیں کہ صاحب ہم کو تو عمل کرنے کی ضرورت نہیں، ہمارا ایمان ہی ہمارے لیے کافی ہے۔ اس سے ہمارے لوگوں کے اندر بے عملی پھیلی، بڑھی۔ جب کہ علما کا کام یہ نہیں ہے کہ صرف عقیدہ درست کروا دیں اور عمل کی راہ میں آزاد کر دیں۔ عقیدہ اور عمل دونوں کی اصلاح کرنا علما کی ذمہ داری ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جن کا اعتقاد صحیح ہے ان ہی کے لیے حسنِ عمل کا فائدہ ہے۔ دعوت عمل اور تحریکِ عمل سے انھیں محروم رکھنے میں خسارہ ہی خسارہ ہے اور احکم الحاکمین کے حضور جواب دہی بھی...... خیر کہنا یہ ہے کہ مذکورہ طرز سے دو نقصان ہوئے۔ ایک یہ کہ ہمارے بہت سے لوگ خراب ہوئے، دوسری خرابی یہ پیدا ہوئی کہ جن کے اندر عمل کی رغبت تھی وہ تبلیغی جماعت سے منسلک ہو گئے اور بعد میں ان کے ہم عقیدہ بھی ہو گئے۔ اس میں شہر کے شہر، بستیاں کی بستیاں ہمارے ہاتھوں سے نکل گئیں تو صحیح جواب یہ ہے کہ ہم عمل کے میدان میں بھی عوام کو ترغیب دیں، عقیدہ کی بھی اصلاح کریں اور قریہ قریہ پہنچ کر اپنی بات پہنچائیں اور لوگوں کو اپنی جماعت سے منسلک کریں۔ لیکن ہمارے یہاں اختلاف و انتشار گویا فطرت میں داخل ہے، اس لیے کوئی مثبت اور تعمیری کام بھی ہو رہا ہے تو اس کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے یا اس کی ہمت شکنی کی جاتی ہے، بجائے اس کے کہ اس کی حوصلہ افزائی ہو۔ مولانا محمد الیاس قادری بہت زبردست عالم نہیں ہیں، لیکن دعوت اسلامی کے تحت عالمی پیمانے پر دین وسنیت کی جو عظیم خدمت وہ انجام دے رہے ہیں اسے نظر انداز کرنا بہت بڑی ناقدری ہوگی۔ انھوں نے آج کی ضرورت کے پیش نظر مکتبۃ المدینہ بھی قائم کیا ہے، جس میں ستر افراد کا اسٹاف کام کر رہا ہے اور انھوں نے "جد المتار" کو از سر نو لانے کی کوشش کی ہے۔ ہم لوگوں نے تو اصل کو شائع کر دیا تھا اور اضافے بہت کم تھے، لیکن انھوں نے اس کا التزام کیا کہ فتاویٰ رضویہ میں جو مسائل ہیں جد الممتار کے متعلقہ باب میں ان کو بھی شامل کیا جائے۔ اس طریقے سے انھوں نے دوبارہ

ایڈٹ کر کے چار جلدیں شائع کی ہیں۔ اور اسی انداز پر باقی جلدوں کو بھی وہ لانا چاہتے ہیں۔ بہار شریعت ہمارے یہاں عرصۂ دراز سے رائج ہے، لیکن مکتبۃ المدینہ نے ایک تو اس کے حوالوں کی تخریج کی ہے، دوسرے اس کے ساتھ ساتھ حواشی بھی لکھے ہیں، تیسرے فقہی فوائد اور اصطلاحات شروع میں دی ہیں اور بہت سی دوسری چیزیں شامل کی ہیں جو اس کتاب کو بہت ہی عظیم، بہت ہی وقیع اور عوام وخواص کے لیے بہت زیادہ مفید بنا دیتی ہیں۔ اس طرح کی خدمات جو ہمارے افراد کر رہے ہیں ان کی ہمت افزائی ہونا بھی ضروری ہے کہ جو کام ہم نہ کر سکے انھوں نے کیا، نہ یہ کہ ہم نہ کر سکے اور کوئی دوسرا کر رہا ہے، تو اس کی کوئی اہمیت نہیں، کوئی حیثیت نہیں۔ بلکہ جو بھی ملت کا، جماعت کا، دین کا کام کر رہا ہے اس کی حوصلہ افزائی ہوتی رہے تو جتنا کچھ وہ کر رہا ہے اس سے زیادہ کرنے کی کوشش کرے گا اور دوسرے افراد کے اندر بھی جذبہ پیدا ہوگا کہ ہم اس طرح کے کام کریں۔

علمائے کرام کا رویہ ہونا چاہیے کہ اگر کسی کے اندر کوئی خامی ہے تو اخلاص کے ساتھ اس کی اصلاح کر دی جائے، میں یہ نہیں کہتا کہ خامیوں کو پنپنے ہی دیا جائے۔ کسی کے اندر خامی ہو تو اس کی اصلاح کی جائے لیکن جو خوبی ہو اس کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ بڑی سے بڑی خوبی ایک خامی کی وجہ سے ردی کی ٹوکری میں ڈال دی جائے، اس کی کوئی حیثیت نہ رہ جائے۔ جو کام پوری جماعت نہ کر سکی وہ کام بھی اگر کوئی کر رہا ہے اور بڑے پیمانے پر کر رہا ہے تو اس کو بھی کوئی حیثیت نہ دی جائے۔ ان باتوں سے بہر حال ہمارے مخلص اور دیدہ ور علما کو دور رہنا چاہیے اور جماعت کے کاز کو آگے بڑھانے کے لیے جو چیزیں مفید اور کار آمد ہو سکتی ہیں ان پر توجہ دینی چاہیے۔ رب تعالیٰ ہم سب کو توفیق خیر سے نوازے۔

میں پھر آپ حضرات کی آمد پر خیر مقدم کہتا ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ فروگزاشتوں کے سلسلے میں معافی بھی چاہتا ہوں۔ خدا کرے کہ ہمارے اس سولھویں سمینار کی بھی تمام نشستیں کامیاب، بار آور، نتیجہ خیز اور بہتر ومفید ثابت ہوں۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین.

الجامعة الاشرفیه میں عرس امام احمد رضا

مورخہ ۲۲ر فروری کو الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں "مرکزی تنظیم ابنائے اشرفیہ" کے زیر اہتمام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی کے عرس کا اہتمام کیا گیا جس کی صدارت سربراہ اعلیٰ علامہ عبد الحفیظ صاحب نے فرمائی جب کہ نظامت کے فرائض مفتی زاہد علی سلامی نے انجام دیے۔ پروگرام کا آغاز قاری قیام الدین کی تلاوت سے ہوا، اس کے بعد محمد جنید رام پوری نے ہدیۂ نعت پیش کیا۔ صدر اجلاس عزیز ملت علامہ عبد الحفیظ صاحب نے اپنے صدارتی خطبہ میں "فکر رضا کی اشاعت میں الجامعۃ الاشرفیہ کے کردار" پر روشنی ڈالی۔ انھوں نے فرمایا کہ فتاویٰ رضویہ، جد الممتار کی ترتیب واشاعت اور کنز الایمان اور حدائق بخشش کی تصحیح وترویج میں الجامعۃ الاشرفیہ اور فرزندان اشرفیہ کا نمایاں کردار رہا ہے۔ انھوں نے مزید فرمایا کہ امام احمد رضا کا مسلک وپیغام قرآن وحدیث کے عین مطابق ہے اور اسی کی اشاعت کے لیے الجامعۃ الاشرفیہ ہمہ وقت کوشاں ہے۔ انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ آئندہ لوک سبھا الیکشن میں قوم مسلم کو اتحاد و اتفاق کی سخت ضرورت ہے۔ تا کہ سیاسی پارٹیاں ان کی طاقت سمجھیں اور مسلم مسائل کے حل کے لیے سنجیدہ ہوں۔

خصوصی خطیب مولانا مبارک حسین مصباحی نے "امام احمد رضا اور اتحاد امت" کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ انھوں نے کہا کہ امام احمد رضا انیسویں صدی کی ایک ہمہ جہت شخصیت ہیں، جن کی پوری زندگی اسلامی تعلیمات اور پیغام اتحاد کی تبلیغ میں گزری، وقت کا تقاضا ہے ہم ان کے پیغام اتحاد کو تقریر وتحریر کے ذریعہ دور دور تک پھیلائیں اور بدعات وخرافات کے خلاف ان کی پاکیزہ تعلیمات کو عام کریں۔ سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے انھوں نے کہا کہ جو قوم اپنے اسلاف کو فراموش کر دیتی ہے وہ ترقی نہیں کر سکتی۔ انھوں نے کہا دہشت گردی پھیلانا ناقابل معافی جرم ہے، مگر دہشت گردی کے نام پر بے گناہ مسلم نوجوانوں کو اٹھانا، انھیں ٹارچر کرنا اس سے بڑی دہشت گردی ہے۔ مولانا نفیس احمد مصباحی نے "امام احمد رضا اور سائنسی علوم" کے موضوع پر خطاب فرماتے ہوئے کہا کہ زمین اور پانی کے متعلق ان کی روشن تحقیقات کا متبادل نہیں ہے۔ ضرورت ہے کہ انھیں یورپین زبانوں میں پیش کیا جائے۔ انھوں نے سامعین کو مشورہ دیتے ہوئے فرمایا کہ وہ فکر رضا کا مطالعہ براہ راست ان کی تصانیف سے کریں تا کہ غلط فہمیوں کا ازالہ ہو سکے۔ مولانا نعیم الدین عزیزی نے فرمایا کہ نظریاتی اختلاف کے باوجود مولانا ابو الکلام آزاد نے امام احمد رضا کو سچا عاشق رسول اور مولانا ابو الاعلیٰ مودودی نے عظیم فقیہ کہا ہے۔ انھوں نے مزید کہا کہ یہ ان کی مقبولیت ہی کی دلیل ہے کہ دنیا کی مختلف یونیورسٹیز میں ان پر تحقیقی کام ہو رہا ہے۔ انھوں نے خصوصیت کے ساتھ طلبۂ جامعہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ہم کو چاہیے کہ ملکی سیاست میں اپنی حصہ داری ثابت کریں، جس کا مقصد قوم مسلم کی خدمت اور ملی وسماجی مسائل کا حل ہو نہ کہ مخفی مفادات کا تحفظ۔ ناظم اجلاس مفتی زاہد علی سلامی نے تمام حاضرین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ اسلاف کے پیغام کو آنے والی نسلوں تک پہنچانا زندہ قوموں کا وطیرہ ہے۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی یہ پروگرام بھی ہے۔ جامعہ کے شیخ الحدیث علامہ عبد الشکور مصباحی کی دعاؤں پر پروگرام کا اختتام ہوا۔ اجلاس کا اہتمام مولانا ابرار احمد عزیزی اور مولانا محمد علی عزیزی نے کیا۔ شرکائے اجلاس میں مولانا صدر الوریٰ قادری، مولانا اختر حسین فیضی، مفتی بدر عالم مصباحی، مولانا حبیب اختر مصباحی، مولانا ناصر مصباحی، مولانا ساجد علی مصباحی، مولانا محمد اشرف مصباحی، مولانا شہاب الدین مصباحی کے نام قابل ذکر ہیں۔

خطبۂ صدارت

از: عزیز ملت حضرت علامہ شاہ عبد الحفیظ صاحب
سرپرست: مجلسِ شرعی و سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته.

نحمده و نصلی علیٰ رسوله الکریم. اما بعد. فاعوذ بالله من الشیطٰن الرجیم. بسم الله الرحمٰن الرحیم.
اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِکَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ، یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا.
اللّٰهم صل علیٰ سید نا و مولانا محمد و بارک وسلم.

سب سے پہلے تو میں آپ تمام حضرات کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے سفر کی تکلیفیں برداشت کر کے ہمارے سمینار میں شرکت کی اور اس کو کامیاب کرنے کی بھر پور کوشش کر رہے ہیں اور۔ اس سے پہلے میں شکر گزار ہوں قائد اہل سنت انٹرنیشنل ٹرسٹ کا جنھوں نے الجامعة الاشرفیہ کی اہمیت کو سمجھا اور امسال ہمارے صدر دار الافتا حضرت مولانا مفتی محمد نظام الدین رضوی صاحب کو "سراج الفقہا" کا خطاب دیا۔ ویسے تو ہماری مجلس میں دو حضرات ہیں ایک تو حضرت مفتی صاحب، جن کو امسال ایوارڈ دیا گیا اور اس سے قبل حضرت علامہ مفتی مجیب اشرف صاحب کو بھی تکریمی خطاب اور ایوارڈ سے نوازا جا چکا ہے۔ ہم اس ٹرسٹ کے شکر گزار ہیں۔ انھوں نے دیر ہی سہی لیکن الجامعة الاشرفیہ کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے اور حضرت مفتی صاحب کے کارہائے نمایاں کو محسوس کرتے ہوئے یہ ایوارڈ ان کو پیش کیا۔ ہم مفتی صاحب کو بھی مبارک باد پیش کرتے ہیں۔

اس سے پہلے بھی میں نے آپ سے گزارش کی تھی کہ آپ حضرات کی جو ذمہ داریاں ہیں ان کو پورا کرنے ہی کے لیے ہم نے اس سمینار کا انعقاد کیا ہے اور آپ نے بھی اسے محسوس کیا اور اس سلسلے میں آپ حضرات کوشش بھی کرتے ہیں، لیکن تھوڑی اور کوشش کریں تو ہمارا یہ سمینار مزید کامیابیوں سے ہم کنار ہوگا، یہ ہماری گزارش اس لیے بھی ہے کہ جتنے عنوانات امسال رکھے گئے تھے، سبھی پر لوگوں نے کوشش نہیں کی بلکہ کسی نے دو پر کسی نے تین پر کسی نے ایک ہی پر کوشش کی ہے۔ بہر حال اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضرات میں دل چسپی ہے۔ تھوڑا سا اور وقت اگر آپ دیں تو ہمارے سارے عناوین پر آپ کی تحقیق انیق ہو جائے اور فیصلے جلد ہو جائیں۔ حالات جیسے ہیں ان کے پیش نظر تو ہمیں کوشش کرنی بھی چاہیے، ہمیں مل جل کر سامنا کرنا ہے۔ ابھی سپریم کورٹ نے ایک فیصلہ دیا، بہت دردناک فیصلہ۔ اس قسم کی ہمتیں لوگوں کی ہو رہی ہیں کہ "مسلم پرسنل لا" میں مداخلت کر رہے ہیں۔ داڑھی کے سلسلے میں اس نے فیصلہ دیا کہ "اسلام میں داڑھی رکھنا ضروری نہیں ہے۔" اب ان کو کیا پتہ کہ اسلام میں کیا ضروری ہے، کیا نہیں ضروری ہے۔ انھیں تو مسلمانوں کی دل آزاری کرنی ہے۔ ورنہ ایک قوم ہے ان کے بھی لوگ داڑھی کٹواتے ہیں، منڈاتے ہیں، لیکن اس قوم کے لیے وہ ضروری سمجھتے ہیں کہ ان کے یہاں مذہبی طور پر داڑھی رکھنا ضروری ہے۔ اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہمارے یہاں تو شرعاً داڑھی رکھنا واجب ہے۔ اس کے تعلق سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصی ہدایات ہیں، جن کی خلاف ورزی ناجائز ہے اس طریقہ سے اور بھی معاملات سامنے آتے ہیں۔ آپ حضرات اگر متحد ہو کر، متفق ہو کر کام کرتے رہیں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ وہ وقت دور نہیں ہے جب ان لوگوں کو سمجھ میں آ جائے گا کہ اسلام کیا ہے۔

میں انھیں الفاظ کے ساتھ پھر آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ حضرات یہاں تشریف لائے اور ہمارے سمینار کی اہمیت کو سمجھا اور اس کے وقار کو اور اس کے معاملات کو آگے بڑھانے کے لیے آپ اپنی کوششوں کے ساتھ تشریف لائے۔ ہم شکر گزار ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کی جزا آپ کو عطا فرمائے۔ اگر کوئی کمی ہماری طرف سے رہ جائے تو یہ سمجھئے کہ ہم دین کی خدمت کے لیے آئے تھے۔ اگر یہ جذبہ آپ کے اندر رہے گا تو اس کمی کا احساس نہیں ہوگا۔ ویسے ہم اس کے لیے معذرت خواہ ہیں، ہم سے جو کچھ بھی ہو سکا ہے، ہم نے کیا ہے۔ کوشش کرتے ہیں۔ اور انشاء اللہ کوئی مشورہ ہمارے سامنے آئے گا تو ہم اس مشورہ پر بھی غور کرنے کی کوشش کریں گے اور بہتر سدھار کرنے کی بھی کوشش ہوگی۔ اللہ تعالیٰ آپ سب حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے اور آپ کی اس کوشش کو قبول فرمائے اور آپ کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔ و اخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین.

خطبۂ صدارت

از: بحر العلوم حضرت مفتی عبد المنان اعظمی
شیخ الحدیث شمس العلوم، گھوسی، ضلع مئو

بسم الله الرحمٰن الرحیم. نحمده و نصلی علیٰ حبیبه الکریم.

حضرات! زمانہ کے انقلاب اور حالات کے تغیر اور تبدل نے انسانوں کے عرف اور ان کی عادات پر غیر معمولی اثر ڈالا ہے جس سے پورے معاشرے کی حالت اتھل پتھل ہو گئی ہے اور جہاں دیکھیے علمائے کرام مسائل جدیدہ کے حل کی جد و جہد میں سرگرداں ہیں، پھر بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دانش وروں کا ایک طبقہ علما کی اس کاوش سے مطمئن نہیں ہے۔ ایک خیر خواہ کے سوالات ملاحظہ ہوں۔

"(1) کیا آپ تسلیم کرتے ہیں کہ مقاصد شریعت، احکامِ شریعت کی روح ہیں؟ اگر ہاں، تو بدلتے حالات میں ان احکامِ شریعت کے نفاذ اور تبدیلی میں ان کا کیا رول ہے؟

(2) کیا آپ کو نہیں لگتا کہ موجودہ دور میں مسائل پر غور کرتے وقت مقاصد شریعت کو یکسر نظر انداز کیا جاتا ہے؟

(3) احکام میں تبدیلی کن صورتوں میں واقع ہوتی ہے، اور اس کا شرعی معیار کیا ہے؟

(4) احکام شریعت میں جمود پسندی اور اپنی طبیعت کی خاطر سہل انگاری سے موجودہ دور میں کتنی پیچیدگیاں اور مشکلات پیدا ہوتی ہیں؟"

حالاں کہ شریعت کے بہت سے احکام کے ساتھ ان کے مقاصد کا بیان نہیں ہوا، بلکہ ارشاد ہوا، عسیٰ ان تکرھوا شیئاً و ھو خیر لکم و عسیٰ ان تحبوا شیئاً ھو شر لکم. بہت سے ایسے امور ہیں جو تمھیں برے لگتے ہیں، حالاں کہ وہ تمہارے بھلے کے لیے ہیں اور کتنے امور ایسے ہیں کہ تم انھیں پسند کرتے ہو پر وہ تمہارے لیے برے ہیں۔

اور بعض ایسے احکام ہیں جن کے ساتھ کئی مختلف اور متعدد مقاصد کا بیان ہوا۔ جیسے نماز کے لیے ایک جگہ فرمایا گیا: ان الصلاۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر. نماز برائیوں سے روکتی ہے۔ اور دوسری جگہ کہا گیا: قد افلح المؤمنون الذین ھم فی صلوٰتھم خاشعون. جو خشوع و خضوع کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں وہ کامیاب ہوتے ہیں۔

تو جن احکام کے مقاصد کا بیان نہ ہوا، ان کے بیان، اور جن کے مختلف مقاصد بیان ہوئے ان کی تعیین کا حق کس کو حاصل ہونا چاہیے۔ کیوں کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ انسانوں نے ان معاملات میں جب جب اپنی عقل کو دخل دیا، ٹھوکر کھائی۔ مثلاً ایک گروہ کہتا ہے قربانی کا مقصد تو محتاجوں کو فائدہ پہنچانا ہے اور یہ گوشت کے بجائے روپیہ دینے سے بدرجۂ اتم حاصل ہوتا ہے تو عید قرباں کے موقع پر قربانی کے بجائے اس کی رقم فقیروں کو دے دینے سے قربانی ادا ہو جانا چاہیے۔

دوسرا روشن خیال طبقہ کہتا ہے کہ احکام شریعت کی عملی تشریح و توضیح کا حق ہر زمانہ میں "مرکز ملت" کی ذمہ داری ہے، عہد رسالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مرکز ملت تھی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت کے لحاظ سے عربوں کو نماز کے لیے رکوع و سجود، قیام و قعود کا طریقہ مقرر فرمایا، حالاں کہ مقصد تو خدا کی نیاز مندی اور اس کی طرف خاص توجہ ہے اور یہ مقصد تو تھوڑی دیر تک آنکھ بند کر کے دھیان و گیان سے بھی حاصل ہو سکتا ہے، اس لیے آج کے مہذب معاشرے میں نماز کا رنگ ڈھنگ بھی بدلنا چاہیے۔

چوتھے سوال کے سلسلے میں یہ الجھن ہے کہ جن کو سائل نے جمود پسند قرار دیا ہے، ان کی طرف سے ان روشن خیال حضرات کے خلاف یہ شکایت ہے کہ آزاد خیال حضرات نے زمانہ کی نیرنگیوں میں پھنس کر اسلام کو مسخ کر ڈالا اور ملت اسلامیہ کو بالکل ماڈرن بنا ڈالا۔ سر سید احمد خاں کے دور میں امت مسلمہ اس طوفان سے گزر چکی ہے، جیسا کہ جوش ملیح آبادی نے کہا۔

جوش پنجاہ سالہ جوبلی کا ...... تم یہ سمجھے کہ مدعا کیا تھا
یہ بتانا تھا دیکھو بڑھ گئے ہم ...... سوئے نصرانیت پچاس قدم

اس لیے تبدیلی سے تو انکار نہیں، لیکن اس کے لیے انھیں شرائط اور پابندیوں کی ضرورت ہے جن کا ذکر ائمۂ مجتہدین کے متبعین نے کیا ہے۔ ذیل میں نہایت اختصار کے ساتھ ان کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔

(1) شریعت کے احکام میں تبدیلی کے اسباب چھ ہیں:

ضرورت - حاجت - عرف، عادت - تعامل - دینی مصلحت - فساد موجود یا مظنون بظن غالب کا ازالہ۔

(2) احکام چار قسموں کی دلیلوں سے ثابت ہوتے ہیں: قرآن - حدیث - اجماع - قیاس

قرآن و حدیث میں جو احکام منصوص ہوں ان کی بالکلیہ تبدیلی نہیں ہو سکتی جزوی تبدیلی ممکن ہے اور بقیہ احکام کی بالکلیہ تبدیلی ہو سکتی ہے۔

"اذا خالف العرف الدليل الشرعي فان خالفه من كل الوجوه بان لزم منه ترك النص فلا شك في رده كتعارف الناس كثيراً من المحرمات من الربا و شرب الخمر و لبس الحرير و غير ذلك مما وردت تحريمه نصاً۔" (نشر المعرف، ص:116)

عرف دلیل شرعی کے بالکلیہ مخالف ہو جس سے نص کا ترک لازم آئے تو عرف کو رد کر دیا جائے گا، اور یہ اُس وقت ہوگا جب لوگوں نے منصوصات شرعیہ کے خلاف عرف بنا لیا ہو جیسے سود، شراب خوری وغیرہ۔

(3) مندرجہ ذیل حضرات کو تبدیلی کا حق حاصل ہے:

"ان يكون المفتي ممن له راى و نظر صحيح۔ و معرفة بقواعد الشرع، حتى يميز بين العرف الذي يجوز بناء الاحكام عليه و بين غيره۔ فان المتقدمين شرطوا في المفتي الاجتهاد و هذا مفقود في زماننا۔ فلا اقل من ان يشترط فيه معرفة المسائل بشروطها و قيودها التي كثيراً مايسقطون بها۔ ولا يصرحون بها اعتماداً على فهم المتفقه و كذا لابُدّ له من معرفة عرف زمانه و احوال اهله والتخرج في ذلك على استاذ ماهر۔" (رسم المفتي، ص:97)

(ایسا شخص اہل ہے) جس کی رائے اور نظر صحیح ہو، اسے قواعد شرعیہ کی معرفت ہو، عرف مقبول اور مردود کی تمیز رکھ سکے، کیوں کہ متقدمین نے تو اس کے لیے اجتہاد کی شرط رکھی تھی جو اس زمانے میں مفقود ہے تو کم سے کم اتنا تو ہو کہ اس کو مسائل کے معرفت کی صلاحیت ہو اور احکام کے قیود و شرائط کو جانتا ہو، کیوں کہ علماے ماسبق نے بہت سارے مسائل کو مطلق بیان کر دیا ہے جب کہ اس کے ساتھ شرائط و قیود بھی تھے۔ فقہاے مابعد کی فہم پر اعتماد کرتے ہوئے۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ کسی ماہر فقیہ استاذ سے عرصہ تک مسائل کی تخریج بھی کی ہو۔

ص:13 کا بقیہ

85	مولانا قاری نورالحق مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور	86	مولانا محمد اسلم مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
87	مولانا محمد صابر	دارالعلوم قادریہ چریاکوٹ	88	حافظ وحید الحق	گھوسی
89	مولانا اختر حسین مصباحی	کولکاتا	90	مولانا فضیل احمد اشرفی	کچھوچھہ شریف
91	مولانا مشرف حسین مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور	92	مولانا محمد عالم مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
93	مولانا امام الدین	مہراج گنج	94	حافظ وقاری نورالحق	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
95	حافظ وقاری قیام الدین	جامعہ اشرفیہ مبارک پور	96	حافظ وقاری عبدالقیوم	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
97	مولانا عبدالمصطفیٰ	جین پور	98	مولانا محمود احمد مصباحی	مدرسہ اسلامیہ اشرفیہ سلٹھی
99	مولانا وقار عزیزی	بھیونڈی	100	مولانا محمد فاروق	مدرسہ اسلامیہ اشرفیہ سلٹھی
101	مولانا سعید اختر	المجمع الاسلامی، مبارک پور	102	مولانا امتیاز احمد	المجمع الاسلامی، مبارک پور
103	حافظ معین الدین	مبارک پور			

شرکاے سمینار
ایک نظر میں

از: محمد عرفان عالم مصباحی

الحمد للہ! مجلسِ شرعی کے گزشتہ سمیناروں کی طرح سولھواں فقہی سمینار بھی بہ حسن وخوبی کامیابیوں سے ہم کنار ہوا۔ اس سمینار میں بھی ملک و بیرون ملک سے کثیر تعداد میں علماے کرام ومفتیانِ عظام نے حصہ لیا۔ ذیل میں اربابِ قلم، اصحاب راے اور دیگر شرکاے سمینار کی فہرست پیش ہے۔

......اکابر......

(1) بحرالعلوم حضرت علامہ مفتی عبدالمنان اعظمی مصباحی — شیخ الحدیث مدرسہ شمس العلوم، گھوسی، مئو

(2) عزیز ملت حضرت علامہ عبدالحفیظ مصباحی — سرپرست مجلس شرعی وسربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ

(3) محدث جلیل حضرت علامہ عبدالشکور مصباحی — شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارک پور

(4) عمدۃ المحققین حضرت علامہ محمد احمد مصباحی — صدر مجلس شرعی وپرنسپل جامعہ اشرفیہ مبارک پور

(5) حضرت علامہ مفتی مجیب اشرف صاحب — دارالعلوم امجدیہ، ناگ پور

(6) حضرت علامہ مفتی شبیر حسن رضوی مصباحی — شیخ الحدیث الجامعۃ الاسلامیہ، روناہی

(7) حضرت علامہ مفتی حبیب یار خاں — جامعہ نوری، اندور

......اصحابِ مقالات وآرا......

اس سمینار کے لیے سات موضوعات منتخب ہوئے تھے، جن میں سے چار باتفاق راے حل ہو گئے۔ ایک مسئلہ (طویل المیعاد قرض) جو پچھلے سمینار میں فیصل نہ ہو سکا تھا اس سمینار میں اس کا فیصلہ ہو گیا۔ اس طرح آٹھ میں سے پانچ مسائل حل ہوئے۔ طویل المیعاد قرض کے مقالات کی فہرست چودھویں سمینار کے شمارے میں شائع ہو چکی ہے۔ بقیہ موضوعات اور ان کی فہرست یہاں ملاحظہ فرمائیں:

موضوعات: (1) میوچول فنڈ کی شرعی حیثیت (2) پرافٹ پلس کی شرعی حیثیت (3) درآمد برآمد ہونے والے گوشت کا حکم۔ (4) جدید مسعیٰ میں سعی کا حکم (5) غیر رسم عربی میں قرآن حکیم کی کتابت۔ (6) فلیٹوں کی حیثیت زکاۃ کے نقطۂ نظر سے۔ (۷) طویلے کے دودھ اور جانوروں کا مسئلہ۔

نمبر شمار	اسماے گرامی اصحابِ مقالات		موضوعات وتعداد صفحات (1)	(2)	(3)	(4)	(5)	(6)	(7)
8	محققِ مسائلِ جدیدہ علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی	جامعہ اشرفیہ	4	3	9	17	-	-	-
9	مولانا مفتی محمد عنایت احمد نعیمی	الجامعۃ الغوثیہ، اترولہ، گونڈہ	1	2	-	-	3	1	1
10	مولانا مفتی شیر محمد خاں رضوی	دارالعلوم اسحاقیہ، جودھ پور	1	1	1	1	1	1	1
11	مولانا نصر اللہ رضوی مصباحی	مدرسہ فیض العلوم، محمد آباد گوہنہ	7	1	7	5	12	3	2
12	مولانا محمد عارف اللہ فیضی مصباحی	مدرسہ فیض العلوم، محمد آباد، مئو	2	2	-	4	3	3	3
13	مولانا مفتی حبیب اللہ نعیمی مصباحی	دارالعلوم فضل رحمانیہ، پچپڑوا، بلرام پور	-	-	1	2	2	-	2
14	مولانا صدر الوریٰ قادری مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور	-	-	-	-	3	3	2
15	مولانا نفیس احمد مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور	-	-	-	-	6	-	-

استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

16	مولانا محمد ناظم علی مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور	-	-	-	2	-	9	3
17	مولانا قاضی شہید عالم رضوی	جامعہ نوریہ رضویہ، بریلی شریف	-	-	-	-	-	14	7
18	مولانا مفتی بدر عالم مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور	2	2	3	-	-	4	3
19	مولانا مفتی آلِ مصطفیٰ مصباحی، رکن مجلس شرعی واستاذ	جامعہ امجدیہ رضویہ، گھوسی، مئو	3	2	-	1	-	1	1
20	مولانا عبد الغفار اعظمی مصباحی	مدرسہ ضیاء العلوم، خیر آباد، مئو	-	-	3	-	4	-	-
21	مولانا عبد السلام رضوی مصباحی	مدرسہ انوار العلوم، بلرام پور	-	-	2	1	2	2	2
22	مولانا قاضی فضل احمد مصباحی	مدرسہ ضیاء العلوم، کچی باغ، بنارس	4	2	4	2	2	3	2
23	مولانا مفتی محمد نسیم مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور	-	-	-	-	2	2	1
24	مولانا ابرار احمد امجدی	مرکز تربیت افتا، اوجھا گنج، بستی	-	-	-	4	3	-	-
25	مولانا محمد انور نظامی مصباحی	مدرسہ فیض النبی، ہزاری باغ	1	1	7	5	2	8	5
26	مولانا محمد سلیمان مصباحی	جامعہ عربیہ، سلطان پور	2	1	-	3	1	2	1
27	مولانا محمد نظام الدین قادری مصباحی	دار العلوم علیمیہ، جمدا شاہی، بستی	2	1	2	-	3	3	1
28	مولانا شمشاد احمد مصباحی	جامعہ امجدیہ رضویہ، گھوسی، مئو	1	1	3	-	3	1	1
29	مولانا ابرار احمد اعظمی	مدرسہ ندائے حق، جلال پور	3	3	3	9	3	10	4
30	مولانا محمد مسیح احمد مصباحی	مدرسہ انوار القرآن، بلرام پور	1	1	2	1	2	1	1
31	مولانا رضاء الحق اشرفی مصباحی	مدرسہ جامع اشرف، کچھوچھہ شریف	3	2	2	4	2	7	2
32	مولانا رفیق عالم رضوی مصباحی	جامعہ نوریہ رضویہ، بریلی شریف	9	7	4	4	4	7	2
33	مولانا شبیر احمد مصباحی	مدرسہ سراج العلوم، برگدہی، مہراج گنج	6	4	3	4	3	5	3
34	مولانا قاضی فضل رسول مصباحی	مدرسہ سراج العلوم، برگدہی، مہراج گنج	7	3	3	3	2	2	2
35	مولانا معین الدین اشرفی مصباحی	دار العلوم بہار شاہ، فیض آباد	-	-	2	1	3	3	2
36	مولانا کمال الدین رضوی	دار العلوم عربیہ سعدی پور، باندہ	-	-	3	-	-	-	-
37	مولانا محمد عالم گیر رضوی مصباحی	دار العلوم اسحاقیہ، جودھ پور	3	7	14	1	5	3	4
38	مولانا اختر حسین فیضی مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور	-	-	-	-	3	-	-
39	مولانا ساجد علی مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور	-	-	3	-	4	2	-
40	مولانا دستگیر عالم مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور	-	-	-	-	-	7	3
41	مولانا احمد رضا مصباحی	مدرسہ تنویر الاسلام، امرڈوبھا	-	-	2	1	2	-	2
42	مولانا شیر محمد خاں مصباحی	دار العلوم وارثیہ، لکھنؤ	-	-	2	-	2	-	2
43	مولانا محمد جابر خاں مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور	-	-	2	-	3	-	-
44	مولانا محمد ناصر حسین مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور	-	-	-	24	16	-	2
45	مولانا نور احمد قادری مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور	-	-	2	-	-	3	-
46	مولانا نثار احمد خاں مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور	-	-	3	-	-	-	-
47	مولانا محمد آزاد مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور	-	-	3	-	-	-	-
48	مولانا محمد ہارون مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور	-	-	4	-	-	-	-
49	مولانا محمد شبیر عالم مصباحی	دار العلوم انوار مصطفیٰ رضا، جام نگر، گجرات	4	:	2	-	-	3	2

درج ذیل علمائے کرام نے کوئی مقالہ تو پیش نہیں کیا مگر بحثوں میں حصہ لیا اور اظہار رائے فرمایا:

50	مولانا یسین اختر مصباحی	دار القلم، دہلی	51	مولانا اسرار احمد مصباحی	جامعہ اشرفیہ مبارک پور
52	مولانا نصیر الدین عزیزی مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور	53	مولانا اعجاز احمد مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
54	مولانا بدر القادری مصباحی	ہالینڈ	55	مولانا مفتی عبد المنان کلیمی مصباحی	مراد آباد
56	مولانا محمد ادریس مصباحی	مہنداول	57	مولانا عبد المبین نعمانی مصباحی	المجمع الاسلامی، مبارک پور
58	مولانا مسعود احمد برکاتی مصباحی	امریکہ	59	مولانا عبد الحق رضوی مصباحی	جامعہ اشرفیہ مبارک پور
60	مفتی شہاب الدین نوری	مدرسہ فیض الرسول براؤں شریف	61	مولانا مبارک حسین مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
62	مفتی زاہد علی سلامی	جامعہ اشرفیہ مبارک پور	63	مولانا اختر کمال قادری مصباحی	جامعہ اشرفیہ مبارک پور
64	مولانا جلال الدین نوری مصباحی	جامعہ اشرفیہ	65	مولانا محمد قاسم مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
66	مفتی محمد بشیر القادری	دار العلوم حضرت عائشہ گریڈیہ	67	مولانا محمد اشرف مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
68	مولانا صلاح الدین مصباحی	مدرسہ فیض العلوم، جمشید پور	69	مولانا عاقب شافعی	بھیونڈی
70	محمد عرفان عالم مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور			

......بقیہ شرکاے سمینار......

71	مولانا سید ولی اللہ بقائی مصباحی	صفی پور	72	مولانا عرش محمد مصباحی	مدرسہ ضیاء العلوم، ادری
73	مولانا محمد جعفر مصباحی	مدرسہ ضیاء العلوم، ادری	74	مولانا محمد نور الحق نوری	جامعہ نوری، اندور
75	مولانا نعیم الدین عزیزی مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور	76	مولانا حمید الحق برکاتی مصباحی	زمبابوے
77	مولانا نظام الدین قادری	ساؤتھ افریقہ	78	مولانا حبیب اختر مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
79	ماسٹر افضال احمد	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور	80	مولانا طفیل احمد مصباحی	مدرسہ اسلامیہ اشرفیہ سکٹھی
81	مولانا قاری نعیم اختر مصباحی	خطیب جامع مسجد مبارک پور	82	مولانا محمد فاروق مصباحی	مبلغ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
83	مولانا محمد محبوب عزیزی	دفتر ماہ نامہ اشرفیہ	84	مولانا رفیع القدر مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

باقی، ص:10 پر

خلاصۂ مقالات بہ عنوان

میوچول فنڈ کی شرعی حیثیت

مولانا دستگیر عالم مصباحی

مجلسِ شرعی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے سولہویں فقہی سمینار کا پہلا موضوع ”میوچول فنڈ کی شرعی حیثیت“ ہے۔

میوچول فنڈ کا اجمالی تعارف: میوچول فنڈ ایک ایسا کاروباری ادارہ ہے جو بلا تفریق مذہب وملت ونسل وجنس کثیر افراد سے مالِ خطیر جمع کرتا ہے اور اپنا مال بھی اس میں ملاتا ہے، پھر مجموعی سرمائے کا کچھ حصہ نقد کی شکل میں محفوظ رکھتا ہے تا کہ وہ اپنی یا دوسروں کی مشکل گھڑی میں کام آئے اور کچھ حصہ سودی قرض کے طور پر دوسروں کو دیتا ہے، مگر بیش تر سرمایہ مختلف کاروباری کمپنیوں کے مساواتی اور ترجیحی حصص میں لگاتا ہے۔ مساواتی حصص سے مراد وہ حصص ہیں جن کے شرکا نفع و نقصان دونوں میں برابر کے شریک ہوتے ہیں اور ترجیحی حصص میں سرمائے کا مالک نقصان میں قطعاً شریک نہیں ہوتا، اس کو صرف نفع سے مطلب ہوتا ہے اور اس کا نفع بھی روزِ اول ہی متعین ہو جاتا ہے۔ جس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکتی، کمپنی نفع میں ہو یا خسارے میں۔ ادارہ اپنی ان خدمات کے بدلے عوام سے بنام سروس چارج مختصر سی رقم بھی وصول کرتا ہے جو عموماً 2.25 فی صد ہوتی ہے۔

یہ ہے میوچول فنڈ کا ایک اجمالی تعارف۔ اس موضوع پر کل بیس مفتیانِ کرام و علمائے عظام کے گراں قدر مقالات مجلس کو موصول ہوئے۔ جن کے صفحات کی مجموعی تعداد 67/ ہے۔ مذکورہ موضوع سے متعلق تنقیح وتحقیق کے لیے دو سوالات مندوبین کرام کی خدمت میں پیش کیے گئے۔ ان میں پہلا سوال یہ تھا:

”میوچول فنڈ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟“

............جوابات سوال نمبر (1)............

اس سوال کے جواب میں مندوبین کرام کے چھ موقف سامنے آئے:

پہلا موقف: یہ ہے کہ میوچول فنڈ کی شرعی حیثیت ”شرکت عنان“ کی ہے۔ یہ موقف سات علمائے کرام کا ہے۔ اس موقف پر دی گئی دلیلوں کا ماحصل یہ ہے کہ میوچول فنڈ میں عوام کے ساتھ ساتھ فنڈ بھی اپنا سرمایہ ملاتا ہے اور دونوں کے سرمائے مساوی نہیں ہوتے اور کام صرف فنڈ کرتا ہے، اس میں مذہب وجنس بھی مختلف ہو سکتی ہے اور دونوں کے نفع میں بھی سرمایہ کے تناسب سے مساوات ضروری نہیں ہوتی۔ تو یہ سب ”شرکت عنان“ ہی کی خصوصیات ہیں۔

حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی صاحب لکھتے ہیں:

”واقعہ یہ ہے کہ یہ فنڈ بنیادی طور پر شیر مارکیٹ کا کاروبار ہے، جس کے نقصانات اور خسارے سے بچانے کے لیے اس میں کچھ اصلاحات کی گئی ہیں اور شیر مارکیٹ میں سرمایہ کاری شرعی نقطۂ نظر سے ”شرکت عنان“ ہے جس کی تحقیق ہو چکی ہے۔

شرکت عنان کی وضاحت بہار شریعت میں ان الفاظ میں ہے: شرکت عنان یہ ہے کہ دو شخص کسی خاص نوع کی تجارت یا ہر قسم کی تجارت میں شرکت کریں، مگر ہر ایک دوسرے کا ضامن نہ ہو، صرف دونوں شریک آپس میں ایک دوسرے کے وکیل ہوں گے۔ لہذا شرکت عنان میں یہ شرط ہے کہ ہر ایک ایسا ہو جو دوسرے کو وکیل بنا سکے۔ در مختار، عالم گیری۔ (بہار شریعت، ص:28، حصہ:10)

نیز اسی میں ہے: شرکت عنان مرد وعورت کے درمیان، مسلم وکافر کے درمیان، بالغ اور نابالغ عاقل کے درمیان، جب کہ نابالغ کو اس کے ولی نے اجازت دے دی ہو اور آزاد وغلامِ ماذون کے درمیان ہو سکتی ہے۔

(بہار شریعت، ص:28، حصہ:10)

نیز اسی میں ہے: شرکت عنان میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی میعاد مقرر کر دی جائے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دونوں کے مال کم وبیش ہوں، برابر نہ ہوں اور نفع برابر، یا مال برابر ہوں اور نفع کم وبیش۔ (بہار شریعت، ص:28، حصہ:10)

استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

واللہ تعالیٰ اعلم۔“ (مقالہ مفتی محمد نظام الدین رضوی، ص:1)

مفتی بدر عالم صاحب مصباحی در مختار اور بہار شریعت سے شرکت عنان کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”بہر حال میوچول فنڈ کی جو تشریح سوال نامے میں ہے اس سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ میوچول فنڈ شرکت عقد کی قسم شرکت عنان کے ذریعہ حاصل کردہ رقوم کا مجموعہ ہے۔“ (مقالہ مفتی بدر عالم مصباحی، ص:1)

دوسرا موقف: یہ ہے کہ میوچول فنڈ صرف شرکت عنان نہیں، بلکہ اس کے ساتھ چند اور عقود (امانت، قرض، توکیل اقراض، اجارہ) کا مجموعہ ہے۔ یہ موقف پانچ علمائے کرام کا ہے۔

ان حضرات کی دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ جب میوچول فنڈ کے بارے میں یہ معلوم ہے کہ وہ جمع کردہ مجموعی رقم میں سے کچھ بصورت نقد محفوظ رکھتا ہے اور کچھ مختلف کاروباری کمپنیوں کے مساواتی حصص میں اور کچھ ان کے ترجیحی حصص میں لگاتا ہے اور کچھ سرمایہ دوسروں کو سودی قرض دیتا ہے اور یہ سارے معاملات شرعاً مختلف عقود کے تحت آتے ہیں۔ لہذا پہلا امانت دوسرا شرکت عنان اور تیسرا و چوتھا عقد قرض ہے۔ اس طرح میوچول فنڈ کی شرعی حیثیت مختلف عقود کا مجموعہ ہوگی۔

مولانا محمد سلیمان مصباحی لکھتے ہیں:

”ان تفصیلات کی روشنی میں میوچول فنڈ تین چیزوں کا مجموعہ نظر آتا ہے۔ اول امانت، دوم سودی قرض، سوم شرکت عقد۔ سرمایہ کا وہ حصہ جسے کمپنی نقد کی شکل میں محفوظ رکھتی ہے، یہ صورت امانت کی ہے، وہ سرمایہ جسے کمپنی قرض کے طور پر دوسروں کو دیتی ہے، سودی قرض ہے اور وہ سرمایہ جسے کمپنی مختلف کاروباری کمپنیوں کے اکویٹی شیرز (مساواتی حصص) میں لگاتی ہے یہ شرکت عقد ہے۔“

(مقالہ مولانا محمد سلیمان مصباحی، ص:1)

میوچول فنڈ کے سروس چارج لینے کی وجہ سے مولانا ابرار احمد اعظمی اور مولانا نصر اللہ رضوی ایک اور عقد ”عقد اجارہ“ کا اضافہ کرتے ہیں۔ اور قرض چوں کہ سرمایہ دار خود نہیں دیتا بلکہ میوچول فنڈ دیتا ہے، اس لیے اول الذکر مقالہ نگار اسے توکیل بالاقراض مانتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

”میوچول فنڈ کی حقیقت شرعیہ اور حیثیت شرکت عنان، قرض، توکیل بالاقراض، اجارہ اور سودی کاروبار سے مخلوط ایک شکل ہے۔“ (مقالہ مولانا ابرار احمد اعظمی، ص:3)

تیسرا موقف: یہ ہے کہ میوچول فنڈ کی شرعی حیثیت ”عقد مضاربت“ ہے۔ یہ موقف دو علمائے کرام، مفتی عنایت احمد نعیمی اور قاضی فضل احمد مصباحی کا ہے۔ قاضی فضل احمد مصباحی نے میوچول فنڈ کے شرکت عنان سے نہ ہونے کی جو دلیل ذکر کی ہے شاید وہ ان کی اپنی تحقیق پر مبنی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”مگر کمپنی جو ایک شریک بلکہ عقد شرکت کا ایک اہم رکن ہے، وہ خود اپنا مال نہیں لگاتی، بلکہ مختلف لوگوں کے جمع کردہ مال سے سرمایہ کاری کرتی ہے، لہذا یہ صورت شرکت عنان کے دائرے سے بھی باہر ہے۔“

(مقالہ قاضی فضل احمد، ص:1)

چوتھا موقف: یہ ہے کہ میوچول فنڈ حصہ داروں کی طرف سے ”وکیل عام“ ہے۔ اس نظریے کے حامل دو حضرات ہیں، مولانا محمد عارف اللہ فیضی مصباحی اور مولانا محمد انور نظامی۔ مولانا عارف اللہ فیضی رقم طراز ہیں۔

”میوچول فنڈ بھی کمپنی کی طرح حصہ داروں کی طرف سے ان کا وکیل عام ہوتا ہے۔“

(مقالہ مولانا عارف اللہ فیضی، ص:1)

مولانا موصوف نے سوال نمبر (1) کے جواب میں اس کی شرعی حیثیت تو وکیل عام ہی بتائی ہے، مگر سوال نمبر (2) کے جواب میں اس پر جواز یا عدم جواز کا حکم لگانے سے پہلے وہی باتیں تحریر کی ہیں جو موقف دوم کے موافق ہیں۔ یعنی مساواتی حصص کی شرعی حیثیت ”شرکت عنان“ اور ترجیحی حصص وقرض تمسکات کی حیثیت ”سودی قرض“ ہے۔

پانچواں موقف: یہ ہے کہ یہاں دو عقد ہیں۔ (1) عوام کا فنڈ کے ساتھ (2) فنڈ کا کاروباری کمپنیوں کے ساتھ۔ پہلا عقد اجارہ ہے اور دوسرا بتفصیل حصص، شرکت عنان وقرض ہے۔ یہ موقف صرف مولانا محمد رفیق عالم مصباحی کا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”یہاں دو معاملات ہیں: (1) عوام کا میوچول فنڈ کمپنی کے ساتھ، (2) میوچول فنڈ کمپنی کا مختلف کاروباری کمپنیوں کے ساتھ۔

پہلا معاملہ عقد اجارہ ہے کیوں کہ اجارے میں یا تو کسی کے مکان، دُکان، زمین، سامان، جائداد وغیرہ سے نفع

اٹھانے کا عوض دیا جاتا ہے، یا پھر کوئی کام کرنے، کرانے پر ٹھیکہ ومزدوری دی جاتی ہے، دونوں پر اجارہ کا اطلاق ہوتا ہے۔ یہاں میوچول فنڈ کمپنی ان کاروباری کمپنیوں میں سرمایہ کاری کے عوض عوام سے سروس چارج کے نام سے مزدوری لیتی ہے، اس لیے یہ بھی اجارہ ہوا۔ البتہ یہ اجارہ کی نوع ثانی سے ہے۔'' (مقالہ مولانا رفیق عالم، ص:1)

موصوف نے دوسرے معاملے کے بارے میں موقف دوم کی موافقت کی ہے۔ البتہ انھوں نے اپنے سب سے مبسوط مقالے میں اپنے موقف کے متعلق متعدد کتب فقہ سے دلائل کے انبار لگا دیے ہیں۔

چھٹا موقف: یہ ہے کہ یہ عقد قرض ہے۔ یہ موقف صرف ایک مقالہ نگار مولانا عالم گیر مصباحی کا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''میوچول فنڈ کا جو تعارف سوال نامہ میں کرایا گیا ہے اس سے محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنی حقیقت شرعیہ کے اعتبار سے ''قرض'' ہے کہ اس میں مثل مال کی واپسی بہر حال لازمی ہوتی ہے، اور اس پر کچھ اضافہ کا معاہدہ کمپنی کی دنیا میں رائج ہے۔ تو جس طرح بیمۂ زندگی کی شرعی حیثیت قرض کی ہے اسی طرح میوچول فنڈ کی شرعی حیثیت قرض کی ہے۔ بہر حال فقہی اعتبار سے یہ صورت قرض کی ہے۔ تنویر الابصار میں ہے: "القرض هو عقد مخصوص يرد على دفع مال مثله لاخر لیرد مثله." (ج:4، ص:191)

ان مقالہ نگار حضرات میں مفتی شیر محمد خاں (جودھ پور) اور مولانا محمد مسیح احمد (بلرام پور) نے میوچول فنڈ کو ''شیر کا کاروبار'' اور اس کا ''متبدل نام'' کہنے پر اکتفا کیا ہے۔

............جوابات سوال نمبر (2)............

دوسرا سوال یہ تھا:

''میوچول فنڈ کے کاروبار میں حصہ لینا اور اس سے حاصل شدہ منافع کو اپنی ضروریات میں صرف کرنا کیسا ہے؟''

یہ سوال دراصل دو جزؤں پر مشتمل ہے:

(الف) میوچول فنڈ کے ذریعہ کاروبار میں حصہ لینا جائز ہے یا ناجائز؟

(ب) اور بہر حال اس کے ذریعہ حاصل شدہ منافع کا کیا حکم ہے؟

جز (الف) کے جواب میں تین حضرات مفتی عنایت احمد، مفتی شیر محمد اور مولانا عالم گیر کو چھوڑ کر سبھی مقالہ نگار حضرات اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ اس میں حصہ لینا جائز نہیں ہے۔

ان کی دلیل کا ماحصل یہ ہے کہ میوچول فنڈ جائز اور ناجائز دونوں طرح کی تجارتوں میں سرمایہ کاری کرتا ہے اور اس کی یہ سرمایہ کاری مسلم، غیر مسلم دونوں کمپنیوں میں ہوتی ہے، تو عوام اگر چہ خود ناجائز تجارت نہیں کرتے، لیکن ان کی جانب سے کم از کم اس ناجائز تجارت کے کرنے کا وکیل بنانا اور اس پر راضی ہونا اور بعض حضرات کے موقف کے مطابق اس پر معاملۂ اجارہ کرنا ضرور پایا جاتا ہے، اس لیے اس میں حصہ لینا ناجائز ہے۔ ہاں اگر میوچول فنڈ صرف جائز تجارت کرے مثلاً صرف مساواتی حصص میں شریک ہو یا عقد مضاربت کرے اور ترجیحی حصص یا قرض تمسکات جاری کر کے سودی لین دین نہ کرے تو اس میں حصہ لینا جائز ہوگا جب کہ مسلمان کو نقصان سے محفوظ رہنے کا ظن غالب ہو۔

نیز مولانا رضاء الحق اشرفی مصباحی کے جواب کا مفاد یہ ہے کہ اگر صرف غیر مسلم کمپنیوں کے ترجیحی حصص میں شریک ہو کر یا انھیں سودی قرض دے کر نفع حاصل کرے تو بھی جائز ہوگا۔

حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''جو کمپنیاں صرف مساواتی حصص میں سرمایہ کاری کرتی ہیں ترجیحی حصص اور ڈبینچرس کے سرمائے نہ دیتی ہیں، نہ لیتی ہیں اور مسلمان کو ظن غالب ہو کہ وہ نقصان سے دوچار نہ ہوگا، وہ چاہیں تو ایسے میوچول فنڈ میں حصہ لے سکتے ہیں، تاہم احتیاط یہ ہے کہ زیادہ دنوں تک اپنا سرمایہ اس میں نہ رکھیں، جب کمپنی نفع میں چل رہی ہو اسی وقت اپنا سرمایہ واپس لے لیں۔ جو لوگ بار بار نفع بڑھنے کے چکر میں رہتے ہیں وہ بسا اوقات بڑے نقصان سے دوچار ہوتے ہیں، جیسا کہ متعدد افراد کے بارے میں معلوم ہوا۔

اور جو کمپنیاں ترجیحی حصص اور ڈبینچرس بھی جاری کرتی ہیں یا جن کمپنیوں میں یہ دونوں طرح کے سرمائے بھی لگائے جاتے ہیں ان میں بھی روپے جمع کرتی ہیں، ان کمپنیوں کے میوچول فنڈ میں حصہ لینا ناجائز و گناہ ہے کہ یہ دونوں سرمائے سود کی شرط پر دیے لیے جاتے ہیں۔''

(مقالہ مفتی محمد نظام الدین رضوی، ص:1)

جز (ب) کے جواب میں ان حضرات کے تین موقف ہیں:

پہلا موقف: یہ ہے کہ حاصل شدہ منافع ناجائز وحرام ہیں۔ یہ موقف چھ علمائے کرام کا ہے۔ ان حضرات کی دلیل کا ماحصل یہ ہے کہ مساواتی حصص کے ذریعہ حاصل ہونے والے منافع اگر چہ فی نفسہ حلال تھے مگر چوں کہ اس میں سودی منافع بھی ملا دیے جاتے ہیں، جو حرام ہیں۔ اس طرح حلال اور حرام میں امتیاز نہیں رہ جاتا اور ہر روپے میں حصہ شائع کے طور پر حلال اور حرام دونوں مشترک ہو جاتے ہیں، جنھیں الگ نہیں کیا جا سکتا، اس لیے وہ سارے منافع ناجائز وحرام ہوں گے۔ مفتی بدر عالم مصباحی صاحب لکھتے ہیں:

''میوچول فنڈ کے کاروبار میں چوں کہ سودی قرض کی آلائش پائی جاتی ہے، اس لیے اس کے ذریعہ حاصل شدہ منافع سود سے خالی نہ ہوں گے، لہٰذا ان منافع کو اپنی ضروریات میں صرف کرنا ناجائز نہیں ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔'' (مقالہ مفتی بدر عالم مصباحی، ص:2)

دوسرا موقف: یہ ہے کہ میوچول فنڈ میں حصہ لینا ناجائز و گناہ ہونے کے باوجود، اس سے حاصل شدہ منافع حلال ہیں۔ یہ رائے مولانا آل مصطفیٰ مصباحی، مولانا محمد انور نظامی اور مولانا قاضی فضل رسول مصباحی کی ہے۔ مولانا آل مصطفیٰ مصباحی لکھتے ہیں:

''میوچول فنڈ کے کاروبار میں حصہ لینا تو جائز نہیں البتہ اس سے حاصل شدہ منافع حلال ہیں کہ ایک جائز تجارت سے مال حاصل کیا گیا ہے۔ کمپنی ترجیحی حصص اور قرض کے ذریعہ جو مال حاصل کرتی ہے تو اس مال پر حرمت کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ فی حد ذاتہ وہ مال حلال ہے۔ ہاں سودی قرض لینا اور نفع معین پر حصص لینا ضرور ناجائز ہے۔''

(مقالہ مولانا آل مصطفیٰ مصباحی، ص:3)

تیسرا موقف: یہ ہے کہ صرف مساواتی حصص یا دوسری جائز تجارت کے منافع حلال ہیں اور ترجیحی حصص کے منافع حرام ہیں۔ یہ موقف سات علمائے کرام کا ہے۔ مولانا نصر اللہ رضوی صاحب لکھتے ہیں:

''اس سے حاصل ہونے والے نفع میں کچھ تفصیل ہے۔ مساواتی حصص سے حاصل شدہ اصل نفع جو بغیر سود کے ہے اس میں کچھ حرج نہیں۔ وہ پاک کمائی ہے، اپنی ہر ضرورت میں استعمال کر سکتا ہے، باقی کا نہ لینا جائز، نہ اس کا استعمال درست۔ حطام دنیا کے لیے اپنے سر گناہوں کا بوجھ نہ لادیں۔'' (مقالہ مولانا نصر اللہ رضوی، ص:7)

اس سلسلے میں مفتی عنایت احمد نعیمی، مفتی شیر محمد اور مولانا عالم گیر مصباحی کی رائے یہ ہے کہ میوچول فنڈ میں حصہ لینا اور اس سے حاصل شدہ منافع دونوں جائز ہیں۔

اس میں ایک جانب اول الذکر مقالہ نگار اسے ''عقد مضاربت'' قرار دیتے ہوئے جائز بتاتے ہیں تو دوسری جانب باقی دو حضرات اسے عقد قرض مع سود مانتے ہوئے بھی اس کے جواز کا قول اس وجہ سے کرتے ہیں کہ ان تمام کمپنیوں کے مالکان غیر مسلم حربی یا عیسائی ہیں اور حربیوں سے بلا غدر و بد عہدی، عقود فاسدہ کے ذریعہ بھی مال حاصل کرنا جائز ہے۔ البتہ اسے غربا و مساکین کو دے کر ثواب حاصل کرنا بہتر ہے۔

یہ تھا تمام مقالات کا خلاصہ۔ اب مندوبین کرام سے درج ذیل امور کی تنقیح مطلوب ہے۔

............● تنقیح طلب امور ●............

(1) میوچول فنڈ میں حصہ لینے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ شرکت عنان، یا اجارہ، یا قرض، یا مضاربت یا وہ مختلف عقود کا مجموعہ ہے؟

(2) اس میں حصہ لینا کیسا ہے؟ جائز یا ناجائز؟ پھر جواز یا عدم جواز کا حکم مطلق ہے یا مشروط؟

(3) بہر صورت اس سے حاصل شدہ منافع حلال ہوں گے یا حرام؟ پھر حلت یا حرمت کا حکم تمام قسم کے منافع پر ہوگا؟ یا بعض پر حلت کا اور بعض پر حرمت کا؟

(4) کیا ہر جگہ مالِ حلال اور مالِ حرام مخلوط ہو جانے سے دونوں میں ان کے تناسب سے حلت و حرمت کا اشتراک ہو جاتا ہے؟ یا کہیں نہیں بھی ہوتا؟ اگر ایسا ہے تو اس کی مثالیں اور ان میں وجہ فرق کیا ہے؟

(5) اگر میوچول فنڈ خالص غیر مسلموں کا ہو اور وہ سودی قرض دینے اور ترجیحی حصص لینے کا معاملہ مسلم کمپنی سے بھی کرتا ہو مگر مسلم کمپنی اس سے سودی قرض اس ظن غالب کے ساتھ لیتی ہو کہ بنام سود ادا کی جانے والی رقم سے کہیں زیادہ کما لیتی ہو تو اس میوچول فنڈ میں مسلمانوں کا حصہ لینا جائز ہوگا یا ناجائز؟ اگر جائز ہے تو اس کے دونوں حصص میں یا کسی ایک میں؟

☆☆☆☆☆

خلاصۂ مقالات بہ عنوان

پرافٹ پلس کی شرعی حیثیت

مولانا محمد عرفان عالم مصباحی

مجلسِ شرعی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے سولہویں فقہی سمینار کے لیے جن سات موضوعات کا انتخاب ہوا ان میں ایک ''پرافٹ پلس کی شرعی حیثیت'' ہے۔ اس عنوان کے تحت مجلس کو کل انیس مقالے موصول ہوئے جن کے صفحات کی مجموعی تعداد سینتالیس ہے۔ اس عنوان کے تحت مندوبین کرام سے دو سوال کیے گئے تھے:

............پہلا سوال............

پرافٹ پلس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

اس کے جواب میں مندوبین کرام کی پانچ رائیں سامنے آئیں۔

پہلی رائے: پہلی رائے مولانا قاضی فضل رسول مصباحی کی ہے جو پرافٹ پلس کو عقد مفاوضہ مانتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اور یہ بات پہلے ہی سے واضح ہے کہ مساواتی حصص کے ذریعہ شیر کا حصول عقد شرکت کی خاص قسم شرکت مفاوضہ ہے، جیسا کہ میچول فنڈ کے مقالے سے عیاں ہے۔''

دوسری رائے: دوسری رائے مفتی عنایت احمد نعیمی، مولانا محمد عارف اللہ مصباحی اور مولانا رضاء الحق مصباحی کی ہے، جو اسے عقد مضاربت مانتے ہیں

- مولانا محمد عارف اللہ صاحب لکھتے ہیں:

''کمپنی شیر بازار میں اپنا سرمایہ نہیں لگاتی بلکہ صرف پالیسی ہولڈر کا ہی سرمایہ لگاتی ہے، اس لیے میرے نزدیک یہ عقد مضاربت ہے، کیوں کہ صحت مضاربت کے لیے راس المال کا از قبیل ثمن ہونا، معلوم ہونا، عین ہونا، دین نہ ہونا، راس المال پر مضارب کا پورے طور پر قبضہ ہونا، نفع کا دونوں کے مابین شائع ہونا، ہر ایک کا حصہ معلوم ہونا اور مضارب کو نفع دینے کی شرط ہونا ضروری ہے اور یہ سب شرطیں پرافٹ پلس میں پائی جاتی ہیں۔''

تیسری رائے: تیسری رائے مفتی شیر محمد خاں رضوی، مولانا قاضی فضل احمد مصباحی، مولانا محمد مسیح احمد مصباحی اور مولانا رفیق عالم رضوی مصباحی کی ہے۔ مذکورہ حضرات لکھتے ہیں کہ پرافٹ پلس قمار ہے، کسی عقد شرعی کے تحت داخل نہیں۔

- مولانا رفیق عالم مصباحی نے اپنے سات صفحے کے مقالے کا تقریباً پورا حصہ بڑی عرق ریزی سے پرافٹ پلس کی شرعی حیثیت متعین کرنے میں صرف کیا ہے، اور مقالے کے خلاصے ہی سے مقالہ شروع کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''پرافٹ پلس کا معاملہ عقود شرعیہ مثلاً امانت، ودیعت، ضمانت و کفالت، شرکت، مضاربت، اجارہ اور قرض میں سے کسی میں داخل نہیں۔ کیوں یہ یہ عقود اپنے مفاہیم و مصادیق اور شرائط و احکام کے اعتبار سے پرافٹ پلس پر صادق نہیں آتے۔''

- جب کہ مفتی شیر محمد خاں رضوی کا فیصلہ یہ ہے کہ:

''بیمہ زندگی کے تعلق سے تمام اسکیمیں بہ فرمان امام اہل سنت قمار میں داخل ہیں۔ اب مزید اس پر بحث و تمحیص کرنا روے چراغ بہ پیش آفتاب کے مصداق ہے۔''

مزید لکھتے ہیں: ''اس کی شرعاً اجازت علماے کرام نے نہیں دی ہے۔''

یہاں ثبوت میں موصوف نے کوئی عبارت نقل نہیں کی ہے۔

- بقیہ حضرات نے فتاویٰ رضویہ، جلد:7، ص:113 کی مندرجہ ذیل عبارت سے استدلال کیا ہے:

''یہ بالکل قمار ہے اور محض باطل کہ کسی عقد شرعی کے تحت داخل نہیں، ایسی جگہ عقود فاسدہ بغیر غدر کے جو اجازت دی گئی وہ اس صورت سے مقید ہے کہ ہر طرح ہی اپنا نفع ہو۔''

- مولانا قاضی فضل احمد مصباحی مزید لکھتے ہیں:

''اور اگر لائف انشورنس سے الگ ہٹ کر دیکھا جائے تو یہ صورت عقد مضاربت معلوم ہوتی ہے۔''

چوتھی رائے: چوتھی رائے یہ ہے کہ پرافٹ پلس شرکت عنان ہے۔ یہ رائے مولانا محمد سلیمان مصباحی، مولانا محمد عالم گیر مصباحی، مولانا نصر اللہ رضوی، اور مولانا بدر عالم مصباحی کی ہے۔ ان حضرات نے اپنا یہ نظریہ سوال نامے کی تفصیلات کی بنیاد پر قائم کیا ہے۔

پانچویں رائے: پانچویں رائے یہ ہے کہ اس کی بعض صورتیں شرکت عنان، بعض قرض اور بعض قمار کی ہیں۔ یہ رائے حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی دام ظلہ، مولانا آل مصطفیٰ مصباحی اور مولانا ابرار احمد اعظمی کی ہے۔

- مولانا ابرار احمد اعظمی لکھتے ہیں:

''پرافٹ پلس میں شرکت عنان کا عنصر بایں طور پر ہے کہ صارف اور کمپنی شرکت مال کے ساتھ ساتھ نفع و نقصان میں بھی شریک ہوتے ہیں۔ وھذا ھو مصداق العنان. اور صارف سے وصول کیے گئے سرمایے کا چالیس فی صد حصہ بیمہ کارپوریشن کے پاس جمع رہتا ہے تو جمع شدہ سرمائے کی حیثیت قرض ہے۔ اور چوں کہ مذکورہ اسکیم میں ایک لاکھ روپے کا زندگی بیمہ شامل ہے، تو صارف اس امید موہوم پر پانسا ڈالتا ہے کہ اگر بیمہ کی میعاد پوری ہونے سے پہلے وہ کسی حادثے کا شکار ہو گیا تو اس کے ورثہ کو ایک لاکھ روپے مل جائیں گے۔ لہٰذا تعلیق الملك علی الخطر اور قمار کی صورت ہوئی۔''

- مولانا آل مصطفیٰ مصباحی لکھتے ہیں:

''سوال نامے کی مختصر تفصیل کے مطابق پرافٹ پلس کی شرعی حیثیت ''شرکت عقد و قرض'' دونوں کی ہے۔ بعض صورتوں میں یہ صرف شرکت عقد کی مخصوص قسم شرکت عنان ہے۔ اور اگر صورت حال یہ ہے کہ چالیس فی صد رقم یا کم و بیش کمپنی جمع رکھتی ہے تو اتنی رقم بیمہ کمپنی کو دینا قرض ہے۔''

- حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی دام ظلہ العالی ایک جامع بحث کے بعد فرماتے ہیں:

''خلاصہ یہ کہ پرافٹ پلس کے نام پر جو سرمایہ لائف انشورنس کارپوریشن میں جمع کیا جاتا ہے وہ اس کے دستور کے مطابق دو جز میں تقسیم ہو جاتا ہے، ایک کی حیثیت شرکت عنان کی ہے اور دوسرے کی حیثیت قرض بہ شرط نفع اور صورت قمار کی ہے۔ پوری مدت بیمہ میں کوئی حادثہ نہ پیش آیا تو قرض بہ شرط نفع اور پیش آ گیا تو صورت قمار۔''

- مولانا شمشاد احمد مصباحی اسے قرض بالشرط مانتے ہوئے لکھتے ہیں:

''پرافٹ پلس کی شرعی حیثیت قرض کی ہے، مگر مساواتی حصص میں شرکت اس کے لیے شرط لازم ہے۔''

بقیہ حضرات نے پہلے سوال کا کوئی واضح جواب نہیں دیا ہے۔

............دوسرا سوال............

دوسرا سوال دو گوشوں پر مشتمل ہے۔

(الف) اس پالیسی میں حصہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

(ب) اگر کوئی حصہ لے چکا ہو تو وہ کیا کرے؟

احاطۂ آرا کے پیش نظر دونوں گوشوں کو دو مستقل سوال کی حیثیت سے پیش کیا جا رہا ہے۔

(الف): اس پالیسی میں حصہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

اس کے بارے میں مقالہ نگار حضرات مجموعی طور سے تین نظریات رکھتے ہیں:

پہلا نظریہ: پہلا نظریہ مولانا محمد مسیح احمد قادری، مولانا شبیر احمد مصباحی، مولانا ابرار احمد اعظمی، مولانا رضاء الحق اشرفی مصباحی اور مولانا قاضی فضل رسول مصباحی کا ہے۔ یہ حضرات اس پالیسی میں حصہ لینا مشروط طور پر جائز سمجھتے ہیں۔ ان حضرات نے پرافٹ پلس کے جواز کی شرطیں مختلف انداز میں بیان کی ہیں۔

- مولانا مسیح احمد قادری لکھتے ہیں:

''مذکورہ فتویٰ (جو فتاویٰ رضویہ، ج:7، ص:113 کے حوالے سے گزرا) کی روشنی میں اس قسم کی پالیسی میں حصہ لینا اصلاً جائز نہیں۔ تاہم اگر نفع مسلم ہو تو بعض شرائط کے ساتھ حصہ لینا جائز ہونا چاہیے۔''

لیکن موصوف نے اپنے مضمون میں ''بعض شرائط'' کی تفصیل کہیں ذکر نہیں کی ہے۔

- مولانا ابرار احمد اعظمی رقم طراز ہیں:

استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

''جب یہ طے کہ پرافٹ پلس کا سرمایہ صرف مساواتی حصص یعنی شرکت عنان ہی میں لگایا جاتا ہے تو متعلقہ کمپنی اگر چہ ترجیحی حصص کے ذریعہ سودی کاروبار میں ملوث ہے، مگر جس سرمائے کے ذریعہ وہ پرافٹ پلس میں حصہ لے رہی ہے اس کا بعینہ مال حرام ہونا محقق نہیں۔ لہذا عقد شرکت کی حلت و افادیت پر کوئی فرق نہ آئے گا۔''

مزید فرماتے ہیں: ''رہا پرافٹ پلس میں قرض سے نفع اندوزی اور قمار کا مسئلہ تو جس طرح بشرط نفع مسلم بیمہ کی دیگر اسکیمیں جائز ہیں پرافٹ پلس کے ذریعہ سرمایہ کاری بھی جائز ہونی چاہیے۔''

- مولانا رضاء الحق مصباحی جواز کے لیے مقدار نفع کا معلوم ہونا شرط قرار دیتے ہیں: ''کیوں کہ نفع معلوم نہ ہو تو مضاربت صحیح نہیں۔''
- جب کہ مولانا شبیر احمد مصباحی لکھتے ہیں:

''بلا کسی شرط کے اس پالیسی میں حصہ لینا صرف ان کو جائز ہے جو اس کے ذریعہ حکومتی مظالم سے محفوظ رہ سکیں۔ اور ان کو اس کے ذریعہ انکم ٹیکس سے بچاؤ کا فائدہ نقصان مشکوک سے کہیں زیادہ ہو، ورنہ نہیں۔''

موصوف اس طرح غیر مشروط جواز کا تذکرہ کر رہے ہیں جیسے ان کے نزدیک مشروط جواز کی راہ بھی ہے، مگر موصوف نے مقالے میں اس کے بیان کی زحمت نہیں اٹھائی، حالاں کہ موصوف جسے ''بلا کسی شرط'' فرما رہے ہیں وہ خود کئی شرطوں کی زنجیر میں جکڑا ہوا ہے۔

- اور مولانا قاضی فضل رسول مصباحی یوں رائے دیتے ہیں:

''اس پالیسی میں باحیثیت مسلمانوں کا حصہ لینا نہ صرف جائز بلکہ معاشی ترقی کا زینہ طے کرنے کے لیے مستحسن بھی ہے۔''

ان میں سے بعض حضرات نے فتاوی رضویہ ج:7، ص:113 کا وہ فتوی بھی نقل کیا ہے جو اس تلخیص کے پہلے صفحہ پر ہے۔

دوسرا نظریہ: دوسرا نظریہ یہ ہے کہ اس میں حصہ لینا جائز نہیں۔ یہ نظریہ اکثر مقالہ نگار حضرات کا ہے۔ ان حضرات کی دلیلیں مندرجہ ذیل ہیں۔

الف: مساواتی حصص کے ذریعہ سرمایہ کاری اگر چہ اصلاً جائز ہے اور اس سے حاصل شدہ نفع بھی جائز ہے، مگر چوں کہ بیمہ کمپنی جن کمپنیوں میں اپنا سرمایہ لگاتی ہے، ان میں ترجیحی حصص اور قرض تمسکات بھی شامل ہوتے ہیں اور خسارے کی صورت میں یہ کمپنیاں اپنے ذمہ کا سود ادا کرنے کے لیے ہر شریک سے کچھ نہ کچھ لیتی ہیں، تو یہ پالیسی لینا ایک ناجائز کام میں تعاون یا اس پر رضامندی ہے۔

ب: اس میں نفع مسلم مظنون نہیں موہوم ہے (جب کہ عقود فاسدہ کا جواز نفع مسلم کی شرط سے مشروط ہے)

ج: اس اسکیم میں صورت قمار بھی پائی جاتی ہے۔

تیسرا نظریہ: تیسرا نظریہ حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی صاحب کا ہے۔ (مولانا محمد انور نظامی بھی اسی کے قائل نظر آتے ہیں)۔

- حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں:

''پرافٹ پلس کی شرعی حیثیت مختلف ہونے کی وجہ سے اس کے احکام بھی مختلف ہو گئے۔''

الف: شرکت عنان جائز ہے، مگر جن کمپنیوں میں پرافٹ پلس والوں کا سرمایہ جمع ہوتا ہے وہ ترجیحی حصص کے سرمائے بھی کاروبار میں لگاتے ہیں اور تمام سرمائے اور ان کے اموال بلا امتیاز مخلوط طور پر رکھے جاتے ہیں، پھر مجموعی منافع سے ترجیحی حصص والوں کو سود کی رقم ادا کی جاتی ہے جس کے ذمہ دار تمام مساواتی حصص والے ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ کاروبار جائز ہونے کے باوجود سود سے آلودہ ہو کر ناجائز ہو گیا۔ لہذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس سے اجتناب کریں اور وہ لوگ جو شریک ہو چکے ہیں، جلد از جلد اپنے شیر کسی غیر مسلم کے ہاتھ بیچ کر باہر آجائیں۔ البتہ اب تک کا نفع حلال ہے کہ پاک مال کا نفع ہے اور ناجائز صرف فعل ہے مال نہیں۔

ب: سیکولر حکومتوں میں ان کی رضامندی سے وہ تمام عقود جائز ہوتے ہیں جو مسلمان مسلمان کے درمیان ناجائز ہوتے ہیں، اس لیے جن صورتوں میں پرافٹ پلس کی حیثیت قرض بہ شرط نفع اور صورت قمار بنتی ہے ان صورتوں میں پرافٹ پلس کی اجازت ہے، مگر جہاں پرافٹ پلس بغیر شرکت کے اور شرکت بغیر ترجیحی حصص کے نہیں پائی جاتی،

وہاں پرافٹ پلس سے اجتناب واجب ہے کہ یہ ایک ناجائز کاروبار میں مبتلا ہونے کا ذریعہ ہے۔

ج: پرافٹ پلس کی پہلی صورت (بانڈ فنڈ) قرض بہ شرط نفع کی ہے، لہذا وہ جائز ہے۔

(ب): سوال کا دوسرا جز تھا ''اگر کوئی اس اسکیم میں حصہ لے چکا ہو تو وہ کیا کرے؟

اس سوال کے جواب میں علمائے کرام کے دو موقف سامنے آئے۔

پہلا موقف: پہلا موقف یہ ہے کہ اس میں حصہ لینے والا اسی پر قائم رہے۔ یہ موقف ان حضرات کا ہے جو نفع مسلم کی شرط پر اس اسکیم میں شرکت کے جواز کے قائل ہیں۔

- مولانا ابرار احمد اعظمی لکھتے ہیں:

''اور جو لوگ اس پالیسی میں حصہ لے چکے ہیں انھیں اس پر قائم رہنے کا حکم ہونا چاہیے۔''

- مولانا شبیر احمد مصباحی نے نفع مسلم کی ایک خاص صورت مراد لی ہے، یعنی انکم ٹیکس وغیرہ کی زد سے بچنا۔ اس لیے فرماتے ہیں:

''جو لوگ انکم ٹیکس جیسی بلا میں گرفتار نہ ہوں ان کو وقت نفع کی تاک میں رہنا چاہیے اور جب شیر بازار چڑھاؤ میں ہو تو اپنی رقم واپس لے کر بیمہ سے الگ ہو جانا چاہیے۔''

دوسرا موقف: دوسرا موقف یہ ہے کہ اپنی رقم واپس لے کر اس اسکیم سے فوراً الگ ہو جائے۔ یہ مقالہ نگار علمائے کرام کی غالب اکثریت کا موقف ہے۔ بعض مقالہ نگار حضرات نے اس اسکیم سے الگ ہونے کے مفید طریقے بھی بتائے ہیں:

- مولانا آل مصطفی مصباحی لکھتے ہیں:

''ایسے وقت میں پالیسی نہ توڑیں جب کمپنی نقصان میں ہو کہ اس میں تضییع مال مسلم ہے۔''

- حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی، مولانا عارف اللہ فیضی اور مولانا رفیق عالم رضوی فرماتے ہیں کہ ایسا شخص جلد از جلد اپنے شیر کسی غیر مسلم کے ہاتھ بیچ کر اسکیم سے الگ ہو جائے۔
- مولانا بدر عالم مصباحی اس اسکیم میں حصہ لینا ناجائز بتاتے ہوئے اس سے جدائی کی صورت یوں لکھتے ہیں:

''جو حصہ لے چکا ہے اگر دو ایک قسط جمع کیا ہے تو تین سال پورا ہونے کا انتظار کرے، اور جس کی پالیسی آگے بڑھ چکی ہے اور مدت پوری ہونے کے بعد اس کو اپنی جمع شدہ رقم سے اگر زائد ملتا ہے تو اس کمپنی کی طرف سے شرکت عنان کا نفع سمجھ کر حاصل کرلے۔''

- مولانا محمد سلیمان مصباحی اس اسکیم کو ناجائز بتاتے ہوئے بھی اس کے شرکا کے بارے میں خاموش نظر آتے ہیں، ہاں وارثین کو انھوں نے ضرور ملحوظ رکھا ہے۔ فرماتے ہیں:

''جن لوگوں نے پرافٹ پلس میں سرمایہ کاری کی ہے اگر ان کے وارثین کو کمپنی کی طرف سے بیمہ کی رقم ملتی ہے تو مال مباح جان کر اس رقم کو لینا اور اپنے مصرف میں لانا جائز ہونا چاہیے کہ کمپنی غیر مسلموں کی ہے۔''

- مفتی عنایت احمد نعیمی اور مفتی شیر محمد خاں رضوی اس اسکیم کو ناجائز بتاتے ہیں، مگر پہلے سے شریک افراد کو کے لیے کسی بھی حکم کے ذکر سے اپنا دامن بچا لیا ہے:

مقالات کے جائزہ کے بعد درج ذیل امور تنقیح طلب معلوم ہوتے ہیں۔

تنقیح طلب امور

(1) پرافٹ پلس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟
(1) عقد معاوضہ (2) عقد مضاربت (3) قمار
(4) شرکت عنان (5) شرکت عنان قرض اور قمار کا مجموعہ۔

(2) اس پالیسی کی تمام قسمیں ناجائز ہیں یا تمام قسمیں جائز؟ یا بعض قسمیں ناجائز اور بعض جائز؟ جواز کی صورت میں اس کی شرطیں کیا ہیں؟

☆☆☆☆

خلاصۂ مقالات بہ عنوان

طویل المیعاد قرض اور ان کے احکام

مولانا ساجد علی مصباحی

مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے چودھویں فقہی سمینار میں تحقیق ومذاکرہ کے لیے چار موضوعات منتخب ہوئے تھے جن میں چوتھا موضوع تھا ''طویل المیعاد قرض اور ان کے احکام'' اس موضوع سے متعلق ہندوستان کے مختلف اضلاع اور ریاستوں میں تدریس و تبلیغ اور تحقیق وافتا کا فریضہ انجام دینے والے اَجِلّۂ علمائے کرام و فقہائے ذوی الاحترام نے اپنے بیش قیمت تحقیقی مقالات اور گراں قدر آرا ارسال فرما کر مجلس شرعی اور امت مسلمہ کا عظیم تعاون کیا۔

اس موضوع پر کل 29 مقالات موصول ہوئے جو فل اسکیپ سائز کے 110 صفحات پر مشتمل ہیں۔ اس موضوع کی تحقیق اور اس کے حل کے لیے مندوبین کرام کی خدمت میں چار سوالات پیش کیے گئے تھے۔ ان کے جوابات کا ایک مختصر جائزہ درج ذیل ہے۔

......پہلا سوال اور اس کے جوابات......

امریکہ میں لوگ کاروبار، مکان، دُکان یا پھر گاڑی کے لیے طویل مدت ادائگی پر قرض لیتے ہیں، اس کی مدت 5، 10، 15، 20، 25 اور 30 سال تک ہوتی ہے۔ بعض کمپنیاں اور بینک اس قرض کو مشروط کر دیتے ہیں اور بعض نہیں۔ مثلاً ایک بینک قرض دیتا ہے، مگر وہ مشروط کر دیتا ہے کہ جو قرض 15 ر سال کی مدت تک ادا کے لیے لیا گیا ہے اس کو اس سے پہلے ادا نہیں کر سکتے، اگر ادا کیا تو جرمانہ دینا پڑے گا اور بعض اس قسم کی شرائط عائد نہیں کرتے بلکہ قرض دار کے پاس جب جتنی زیادہ سے زیادہ یا کل قرض کی ادائگی کی رقم حاصل ہو جائے وہ ادا کر سکتا ہے، اس پر کوئی جرمانہ نہیں ہوگا مگر شرح سود جو بینک نے مقرر کی ہے وہ دینی پڑے گی۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ قرض دار نے بینک سے قرض لیا، اس وقت اس کی پوزیشن اچھی تھی مگر بعد میں وہ بحران کا شکار ہو گیا اور خدشہ یہ پیدا ہوا کہ اگر بینک کی اقساط جمع نہ کی گئیں تو مکان پر بینک قبضہ کر لے گا۔ اس سے بچنے کے لیے وہ کم شرح سود پر کسی دوسرے بینک سے قرض لیتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح کا طویل المیعاد قرض یا قرض پر قرض لینا جائز ہے یا نہیں؟

اس سوال کے جواب میں مقالہ نگار حضرات تین خانوں میں بٹے ہوئے ہیں:

الف:- انٹرسٹ دینے کی شرط پر قرض لینا ناجائز وحرام ہے خواہ ادائگی قرض کی مدت مختصر ہو یا دراز۔ ہاں! اگر کسی شخص کے حق میں ضرورت شرعیہ متحقق ہو تو اس کے لیے بقدر ضرورت سودی قرض لینا جائز ہے چاہے وہ ابتداءً ہو یا قرض پر قرض ہو۔ یہ موقف 22 علمائے کرام کا ہے۔

ان حضرات کے دلائل حرمت ربا کے تعلق سے کتاب و سنت کی نصوص اور فقہائے کرام بالخصوص اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی تصریحات ہیں جو سب کے پیش نظر ہیں۔

یہ موقف اختیار کرنے والوں میں چھ حضرات نے اپنے مقالات میں اس گنجائش کا بھی ذکر فرمایا ہے کہ یہ یقین یا ظن غالب ہو کہ قرض نہ لیا تو انکم ٹیکس میں انٹرسٹ سے زیادہ مال ضائع ہو جائے گا اور قرض لینے میں نسبۃً بچت ہوگی تو وہ اس طرح کا قرض لے سکتا ہے۔

پھر ان میں دو حضرات نے اتنی اور صراحت فرمائی ہے کہ اگر اسے مکان یا دُکان کی حاجت ہے اور اسے یہ معلوم ہے کہ 20 یا 25 سال دُکان، مکان کے کرایے میں بڑی خطیر رقم ادا کرنی پڑے گی، جب کہ بینک سے قرض لے کر مکان خریدے تو اس سے کم میں مالکِ مکان ہو جائے گا۔ ایسے شخص کو اگر ظن غالب ہو کہ وہ قرض کی تمام قسطیں پابندی سے ادا کر لے گا تو اسے بھی اس طرح کا قرض لینے کی اجازت ہے۔

اور حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی صدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ، مبارک پور نے ان دونوں صورتوں کے علاوہ ایک تیسری صورت بھی ذکر فرمائی ہے، وہ یہ ہے کہ اگر قرض لینے والا اچھا تاجر یا کامیاب ڈاکٹر وغیرہ ہے اور اسے یقین یا ظن غالب ہے کہ انٹرسٹ کے نام پر جتنی فاضل رقم بینک کو ادا کرے گا اس سے بہت زیادہ کما لے گا تو اس کے لیے بھی اجازت ہے۔ یہ موقف حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے جس کا ماخذ رد المحتار کی یہ عبارت ہے:

"قال فی فتح القدير: لا يخفى أن هذا التعليل إنما يقتضي حِلَّ مباشرة العقد إذا كانت الزيادة ينالُها المسلم...... وقد ألزم الأصحاب فی الدرس أن مرادهم من حِلِّ الربا و القِمار ما إذا حصلت الزيادةُ للمسلم نظرا إلى العلة و إن كان إطلاقُ الجواب خلافَه اه."

(اواخر باب الربا قبل باب الحقوق، ج:4، ص:209)

ب:- اس طرح کا قرض لینا مسلمانوں کے بینک سے ہو تو ناجائز ہے اور اگر خالص غیر مسلموں کا بینک ہے تو جائز ہے بشرطے کہ اس میں مسلم مستقرض کا فائدہ اور نفع ہو۔ یہ موقف چار مقالہ نگار حضرات کا ہے۔

ان حضرات کے دلائل کا ماحصل یہ ہے کہ اس قسم کا معاملہ عقد فاسد ہے اور عقد فاسد کے ذریعہ غیر مسلموں کے مال کا حصول جائز ہے: كما صرح به فقهاء نا فی صورة القمار وغيره۔

- بہار شریعت میں ہے: ''عقد فاسد کے ذریعہ سے کافر حربی کا مال حاصل کرنا ممنوع نہیں۔ یعنی جو عقد مابین دو مسلمان ممنوع ہے اگر حربی کے ساتھ کیا جائے تو نہیں، مگر شرط یہ ہے کہ وہ عقد مسلم کے لیے مفید ہو۔'' (حصہ:11، ص:153)
- حدیث شریف میں ہے: "لا ربا بين المسلم والحربي." (فتح القدیر، ج:7، ص:39)
- تحقق سود کے لیے طرفین کے مال کا معصوم ہونا بھی شرط ہے۔ فتاویٰ شامی میں ہے: "قال فی الشر نبلالی: و من شرائط الربا عصمة البدلين." (ج:7، ص:399)

ج:- پانچ مقالہ نگار حضرات نے اس کو بہت واضح سمجھ کر یا کسی دوسرے امر کے پیش نظر اس پر کچھ کلام نہیں فرمایا۔

......دوسرا سوال اور اس کے جوابات......

اس طرح کا طویل المیعاد قرض لینے والا شخص زکوٰۃ کیسے نکالے؟ جب کہ وہ فرض کیجیے کہ بیس ہزار ڈالر کا چلتا ہوا بزنس اور تیس ہزار کا بینک بیلنس بھی رکھتا ہے، ساتھ ہی اس کے پاس مکان اور گاڑی بھی ہے گویا وہ مضبوط حیثیت کا مالک ہے، کیا اس پر زکوٰۃ فرض ہے، یا نہیں؟ اگرچہ قرض مانع زکوٰۃ ہے مگر اس وقت پوری دنیا میں بزنس، مکان، گاڑی وغیرہ رکھنے والے حضرات عموماً اسی طرح زندگی گزارتے ہیں، تو کیا یہ زکوٰۃ ادا کریں گے یا نہیں؟ اگر نہیں تو دین کے وہ سارے امور جو زکاۃ وصدقات کے ذریعہ انجام پاتے ہیں، یک لخت بند ہو جائیں گے اور یہ دین کا بہت بڑا نقصان ہوگا۔ اور اگر زکوٰۃ نکالی جائے گی تو کس طرح؟ کیا یہ ممکن ہے کہ اس طرح کے قرض کی حد بندی صرف سالانہ اقساط تک محدود کر دی جائے، مثلاً ایک ہزار کی سالانہ اقساط بارہ ہزار ہوئیں تو اس اصل رقم سے صرف بارہ ہزار کو سالِ رواں کا قرض تصور کیا جائے اور بقیہ کی زکوٰۃ نکالی جائے؟

اس سوال کے جواب میں مندوبین کرام تین حصوں میں منقسم نظر آتے ہیں:

الف:- قرض کی پوری رقم وضع کرنے کے بعد اگر اس کے پاس مال بقدر نصاب بچتا ہے تو اس پر اس مال کی زکاۃ واجب ہے اور اگر قرض وضع کرنے کے بعد مال بقدر نصاب نہیں بچتا ہے تو اس پر زکاۃ واجب نہیں۔ یہ موقف 11 ر حضرات کا ہے۔

ان حضرات کے دلائل کا حاصل یہ ہے کہ وجوبِ زکاۃ کے لیے مال کے نصاب کا دَین سے فارغ ہونا ضروری ہے، ورنہ زکاۃ واجب نہیں ہوگی۔

- المختصر للقدوری میں ہے: "ومن كان عليه دين يحيط بماله فلا زكوة عليه." (ص:39)
- اس کے تحت جوہرہ نیرہ میں ہے: "لأن ملكه فيه ناقص لاستحقاقه بالدين ولأنه مشغول بحاجته الأصلية فاعتبر معدوما كالماء المستحق بالعطش لأجل نفسه ولأجل دابته، و معنى قولنا بحوائجه الأصلية أن المطالبة متوجهة عليه بحيث لو امتنع من الأداء يهان أو يحبس فصارَ فی صرفه إزالة الضرر عن نفسه." (ص:138)
- ہدایہ میں ہے: "والمراد به دين مطالب من جهة العباد حتى لا يمنع دين النذر و الكفارة و دين الزكاة مانع حال بقاء النصاب لأنه ينتقص به النصاب."

- عنایہ شرح ہدایہ میں اس تعلق سے ہے:"وله مطالب من جهة العباد سواء كان لله كالزكاة أو للعباد كالقرض و ثمن المبيع......: سواء كان حالا أو مؤجلا فلا زكاة عليه."(ج:2،ص:117)
- در مختار و رد المحتار میں ہے:"(فارغ عن دين له مطالب من جهة العباد) سواء كان لله كزكاة و خراج أو للعبد و لو كفالةً أو مؤجلا و لو صداق زوجته المؤجل للفراق."(ج:3،ص:156)
- فتاویٰ ہندیہ میں ہے:"و منها الفراغ عن الدين . قال اصحابنا رحمهم الله تعالىٰ : كل دين له مطالب من جهة العباد يمنع وجوب الزكاة اه."(ج:1،ص:173)
- الاختیار لتعلیل المختار میں ہے:"و أما خلوه عن الدين فلأن المشغول بالدين مشغول بالحاجة الأصلية لأن فراغ ذمته من الدين الحائل بينه و بين الجنة أهم الحوائج فصار كالطعام والكسوة ، ولأن الملك ناقص لأن للغريم أخذه منه بغير قضاء و رضاء."(ج:1،ص:131)
- مبسوط سرخسی میں ہے:"و إذا كان على صاحب السائمة دين يحيط بقيمتها فلا زكاة عليه فيها عندنا ."
- فتاویٰ خانیہ میں ہے:"الدين يمنع الزكاة اذا كان مطالبا من جهة العباد كالقرض و ثمن المبيع...... فان كان المال فاضلا عن الدين كان عليه زكاة الفاضل اذا بلغ النصاب." (ج:1،ص:254)
- بدائع الصنائع میں ہے:"بخلاف الزكاة فانه لابد فيها من غنى المالك و الغنى لا يجامع الدين و على هذا يخرج مهر المرأة فانه يمنع وجوب الزكاة عندنا معجلا كان او مؤجلا لأنها إذا طالبته يؤاخذ به."(ج:2،ص:84)
- **فتاویٰ رضویہ میں ہے: دَین یعنی بندوں میں جس کا کوئی مطالبہ کرنے والا ہو، انسان کے حوائج اصلیہ سے ہے۔ ایسا دَین جس قدر ہوگا اتنا مشغول بہ حاجت اصلیہ قرار دے کر کالعدم ٹھہرے گا اور باقی پر زکاۃ واجب ہوگی ، اگر بقدر نصاب ہو۔"** (ج:4،ص:405)

اس سوال کے جواب میں حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی صدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے اپنے مبسوط مقالہ میں بڑے اچھوتے انداز میں پہلے اس امر کی وضاحت فرمائی ہے کہ اس طرح کے قرض کا حکم بادی النظر میں کیا معلوم ہوتا ہے اور حق کیا ہے۔ پھر ایک قوی اشکال ذکر کر کے اس کا ازالہ بھی فرمایا ہے۔ چناں چہ آپ کے مقالہ میں **"میعادی قرض پر زکاۃ کا حکم بادی النظر میں"** کے عنوان کے تحت ہے:

"جن بینکوں کا یہ قانون ہے کہ میعاد مقرر سے پہلے قرض ادا کرنا جرم ہے، وہاں ایک مدت دراز تک قرض دار سے یہ "قرض خواہ بینک" اپنے قرض کا مطالبہ نہیں کرتے اور نہ ہی قرض دار کو اس کی ادا یگی کی فکر ہوتی ہے، نہ ادھر فی الحال دینے کا ارادہ ہوتا ہے، نہ اُدھر سے کوئی مطالبہ۔ بادی النظر میں ایسا قرض وجوب زکاۃ سے مانع نہیں یعنی قرض کالعدم ہوگا اور پورے مال پر زکاۃ واجب ہوگی۔

یوں ہی جن بینکوں کا یہ قانون ہے کہ میعاد مقرر سے پہلے قرض ادا کیا جا سکتا ہے لیکن انٹرسٹ پوری میعاد کا دینا پڑے گا وہ بھی میعاد معہود سے پہلے کوئی مطالبہ نہیں کرتے اور ظاہر ہے کہ جب مقروض کو یہ معلوم ہے کہ پیشگی ادا یگی کے باوجود اسے انٹرسٹ پوری میعاد کا دینا پڑے گا تو اسے فی الحال ادا یگی کی فکر نہ ہوگی، وہ تو یہی چاہے گا کہ قرض سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکے، لہذا اس کا حکم بھی بادی النظر میں یہی ہے کہ یہ دین وجوب زکاۃ سے مانع نہیں جیسا کہ معراج الدرایہ میں ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ دین مؤجل مانع وجوب زکاۃ نہیں اور فتح القدیر، جواہر الفتاوی اور جامع الرموز میں ہے کہ اس بارے میں امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کوئی روایت نہیں اور دلائل دونوں طرح کے ہیں اس لیے ایک نوع کے دلائل کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایسا دین مانع وجوب زکاۃ نہیں ہے اور دوسری نوع کے دلائل کے پیش نظر یہ بھی کہنے کی گنجائش ہے کہ مانع وجوب زکاۃ ہے۔ رد المحتار کے الفاظ یہ ہیں:

"قال فی المعراج: و عن ابی حنيفة : لا يمنع. و قال الصدر الشهيد: لا رواية فيه. و لكل من المنع و عدمه وجه. زاد القهستانى عن الجواهر: والصحيح انه غير مانع اه." (نقله عند قول الدرر: أو"مؤجلا" ص:177، ج:3)

اور قہستانی نے اسی مضمون کو یوں نقل کیا ہے:

"و قيل: يمنع المعجّل دون المؤجّل كما فى الاختيار. و ذكر فى المغنى: ان دين العباد يمنع ولو مؤجلا. و عن الصدر الشهيد: لا رواية فيه و للمنع و عدمه وجه كما فى الكافى والصحيح انه غير مانع كما فى الجواهر اه."(جامع الرموز المعروف بالقهستانى، ص:185،ج:1، كتاب الزكاة)

مہر مؤجل کا مسئلہ بھی بادی النظر میں اسی امر کا شاہد ہے کہ بینکوں کا میعادی قرض وجوب زکاۃ سے مانع نہیں۔ فتاویٰ ہندیہ میں وہ مسئلہ ان الفاظ میں ہے:

"قال مشايخنا رحمهم الله تعالى فى رجل عليه مهر مؤجل لامر أته وهولا يريد اداءه لا يجعل مانعاً من الزكاة اه." (ص:173،ج:2)

اور کثیر فقہا نے بھی یہ مسئلہ اسی طرح نقل کیا ہے جیسا کہ آئندہ سطور میں ان کی عبارتیں آ رہی ہیں۔ یہ بحث نظر ظاہر پر مبنی تھی۔

تحقیق حق:- اور تحقیق یہ ہے کہ دونوں طرح کے بینکوں کے میعادی قرض وجوبِ زکاۃ سے مانع ہیں، یعنی قرض کی مقدار مال میں زکاۃ واجب نہ ہوگی کیوں کہ:

الف:- دین کی مقدار مال کی ادائگی حوائج اصلیہ سے ہے اور ایسے مال زکاۃ کے نصوصِ عامہ مطلقہ کے عموم میں شامل نہیں، پھر دین کی مقدار مال پر صاحب مال کی ملک تام نہیں، ناقص ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ دائن اور قرض خواہ کو شریعت نے یہ حق دیا ہے کہ مدیون ادائگی میں ٹال مٹول کرے تو یہ اپنے حق کی مقدار اس کے مال سے بغیر اس کی رضا اور قاضی کی قضا کے بھی لے سکتے ہیں، اور جس مال پر ملک ناقص ہو وہ نصاب سے خارج ہوتا ہے، اس لیے بھی دین کی مقدار مال زکاۃ کے نصوصِ عامہ میں شامل نہیں۔ عدمِ شمول کی وجہ ظاہر ہے کہ نصوص زکاۃ کا اطلاق یہ چاہتا ہے کہ نصاب پر ملک تام ہو اور بندہ اس کا محتاج نہ ہو جب کہ دین کی مقدار مال پر بندے کی ملک تام نہیں ہوتی اور وہ اس کی ادائگی کا محتاج بھی ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ خلیفۂ راشد حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں اس پر صحابۂ کرام کا اجماع منعقد ہو چکا ہے جیسا کہ بدائع اوائل کتاب الزکاۃ میں اس کی صراحت ہے۔ الفاظ یہ ہیں:

"(ولنا) ما روى عن عثمان رضى الله عنه أنه خطب فى شهر رمضان و قال فى خطبته: ألَا ان شهر زكاتكم قد حضر فمن كان له مال و عليه دين فليحسب ما له بما عليه ثم ليزك بقية ماله و كان بمحضر من الصحابة و لم ينكر عليه احد منهم فكان ذلك اجماعاً منهم على انه لا تجب الزكاة فى القدر المشغول بالدين و به تبين أن مال المديون خارج عن عمومات الزكاة ولأنه محتاج إلى هذا المال حاجةً أُصليه لأنّ قضاء الدين من الحوائج الأصلية والمالُ المحتاج إليه حاجة أصلية لايكون مال الزكاة لأنه لا يتحقق به الغنى ولا صدقة إلا عن ظهر غنى على لسان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مع ان ملكه فى النصاب ناقصٌ بدليل أنّ لصاحب الدين إذا ظفر بجنس حقه أن ياخذه من غير قضاء ولا رضاء. اه"

اس کے بعد ہدایہ ج:1،ص:186، بحر الرائق، ج:2،ص:204، جوہرہ نیرہ،ص:139، فتاویٰ تاتار خانیہ، ج:2، ص:51 وغیرہ پندرہ کتب فقہ کی عبارتوں کو بطور دلیل نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

اور ٹھیک یہی ساری تصریحات دوسری کتب معتمدہ وضعیفہ و حواشی میں بھی ہیں اور سب کا حاصل بھی یہی ہے کہ جس دین کے مطالبہ کا حق بندوں کو شرعاً حاصل ہے وہ دین وجوبِ زکاۃ سے مانع ہے، خواہ دین بندے کا ہو جیسے قرض، مبیع کا دام، عورت کا مہر وغیرہ یا دین اللہ عزوجل کا ہو جیسے زکاۃ وغیرہ اور خواہ دین میعادی ہو یا غیر میعادی۔ یہی مذہب حنفی کا مسلمہ قانون ہے اور یہی اصحاب مذہب کا قول ہے اور فتاویٰ ہندیہ میں اسی کو "ظاہر مذہب" کہا گیا ہے جو "ظاہر الروایہ" کی دوسری تعبیر ہے۔ ہندیہ کی عبارت یہ ہے:

"و كذلك المهر يمنع مؤجلا كان او معجّلا لأنه مطالبٌ به، كذا فى محيط السرخسى، و هو الصحيح على ظاهر المذهب. اه"(ص:173،ج:1)

ان فقہی جزئیات سے سب سے اہم جو بات واضح ہو کر سامنے آئی، یہ ہے کہ دین کے مانع زکاۃ ہونے، نہ ہونے کی بنیاد اس امر پر ہے کہ کوئی بندہ اس کا مطالب ہے یا نہیں، اگر ہے تو وہ مانعِ زکاۃ ہے

ورنہ نہیں۔ دین پر زکاۃ کے تمام مسائل اسی ایک محور پر گردش کر رہے ہیں لہٰذا ہر مقام پر یہ بنیاد پیش نظر رہنی چاہیے اور فقہا کی اصطلاح میں "مطالبہ" سے مراد ہے: "وصولی کا تقاضا خواہ فوراً ہو یا کسی وقت مقرر میں، اور انکار یا ٹال مٹول کی صورت میں جبر و حبس کا حق بھی حاصل ہو۔"

اس کے بعد ایک قوی اشکال ذکر کر کے اس کا ازالہ بھی فرماتے ہیں۔ چناں چہ آپ کے مقالے کے ص:6 پر ہے:

اشکال قوی:- اب یہاں نظر ظاہر کی پوری بحث سے یہ اشکال قوی وارد ہوتا ہے کہ جب اصحاب مذہب کا قول یہ ہے کہ دین مؤجل مانع وجوبِ زکاۃ ہے، یہی ظاہر مذہب ہے اور یہی متون و شروح و فتاویٰ وغیرہا کتبِ معتمدہ میں منقول ہے تو امام حاکم شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کافی میں یہ صراحت کیسے فرمائی کہ دین موجل کے باب میں امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کوئی روایت نہیں اور یہ دین مانع وجوب زکاۃ بھی ہو سکتا ہے اور غیر مانع وجوب زکاۃ بھی۔ پھر جواہر الفتاویٰ میں یہ کیسے فرمایا کہ صحیح یہ ہے کہ یہ وجوب زکاۃ سے مانع نہیں حتی کہ حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بہار شریعت جلد خامس میں اسے اختیار فرمایا اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنی تقریظ کے ذریعہ اس کی تصدیق بھی فرما دی۔

ازالۂ اشکال:- یہاں "دین مؤجل" سے مراد "دین مؤجل عرفی" ہے اور "تحقیق حق" میں جس دین کا حکم نقل کیا گیا ہے اس سے مراد "دین مؤجل مشروط" ہے۔ اس لیے دونوں کے باب میں یہ فرق احکام ناگزیر ہوا۔ اس کی تشریح یہ ہے کہ:

دین کی تین قسمیں ہیں: (1) دین حال (2) دین مؤجل مشروط (3) دین مؤجل عرفی۔

(1) دین حال:- جس کی ادائیگی فی الحال واجب ہو اور اس کے لیے کوئی میعاد نہ ہو، جیسے عام خرید و فروخت میں سامان کا دام، یا قرض۔

(2) دین مؤجل مشروط:- جس کی ادائیگی کی میعاد باہمی قرارداد کے ذریعہ معین ہو مثلاً یکم رمضان 29ھ طے کر لیا جائے۔

(3) دین مؤجل عرفی:- جس کی ادائیگی کی میعاد عرفاً معلوم ہو مگر اس کے لیے کوئی خاص تاریخ و ماہ و سن متعین نہ ہو، نہ ہی یہ فریقین کے درمیان طے ہو، جیسے آج کے زمانے میں عورتوں کا مہر کہ عرفاً سب کو معلوم ہے کہ اس کی ادائیگی طلاق یا وفات کے وقت ہوگی، مگر یہ سانحہ کس تاریخ، ماہ و سن میں ہوگا، معلوم نہیں اور نہ ہی کوئی تاریخ، ماہ، سن مقرر ہوتا ہے۔

پہلے دو قسم کے دیون کے بارے میں ظاہر مذہب یہ ہے کہ وہ مانع وجوب زکاۃ ہیں کیوں کہ بندے ان دیون کا مطالبہ کرتے ہیں اور عدم ادائیگی کی صورت میں حبس اور کم از کم رسوائی کا خطرہ ضرور ہوتا ہے: لو امتنع من الاداء یهان و یحبس. جیسا کہ مذہب حنفی کے متون و شروح و فتاویٰ سے اس کے فقہی شواہد پیش کیے گئے۔

اور دین کی آخری قسم "دین موجل عرفی" کے بارے میں صاحب معراج کے بقول امام کی روایت یہ ہے کہ وہ مانعِ وجوبِ زکاۃ نہیں اور جواہر میں اسی کو صحیح فرمایا۔

اور امام حاکم شہید رحمۃ اللہ علیہ کے بقول اس بارے میں امام سے کوئی روایت نہیں اور اس میں وجوبِ زکاۃ نیز عدم وجوب دونوں کا احتمال ہے۔

اور تطبیق یوں ہوگی: امام سے اس بارے میں روایت ظاہرہ نہیں ہے جس سے ان کا مذہب معلوم ہو اور یہ روایت نادرہ ہے جس کو امام کا مذہب نہیں کہا جا سکتا۔ اب حکم کا مدار عرف پر ہوگا جہاں ایسے دین کا مطالبہ ہوتا ہے وہاں مانعِ وجوب زکاۃ ہوگا اور جہاں عادۃً اس کا مطالبہ نہ ہوتا ہو وہاں مانع وجوب زکاۃ نہ ہوگا۔ مہر مؤجل کے تعلق سے فقہا میں جو اختلاف پایا جاتا ہے اس کی بنیاد فی الواقع یہی اختلافِ عرف و عادت ہے کہ جن کے دیار میں جیسا عرف تھا اس کے لحاظ سے انھوں نے حکم جاری فرما دیا۔

رہ گئی یہ بات کہ نظر ظاہر کی مکمل بحث دین مؤجل عرفی سے تعلق رکھتی ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ طحطاوی، شامی، اور قہستانی میں جواہر کی جس عبارت کے پیش نظر دین مؤجل کے مانع وجوب زکاۃ نہ ہونے کی تصحیح نقل کی گئی ہے وہ مہر مؤجل کے بارے میں ہے جیسا کہ فتاویٰ ہندیہ کی درج ذیل عبارت اس کی شاہد ہے:

"و ذكر البزدوی فی شرح الجامع الكبير : قال مشايخنا رحمهم الله تعالىٰ فی رجل عليه مهر مؤجل لا مرأته و هو لا يريد اداء ه لا يجعل مانعا من الزكاة لعدم المطالبة فی العادة و انّهٗ حسن ايضا، هكذا فی جواهر الفتاوی. اه" (ص:173، ج:1)

اس عبارت سے یہ امر بہت واضح ہو کر سامنے آ جاتا ہے کہ جواہر الفتاویٰ میں خاص مہر مؤجل کا یہ حکم بیان کیا گیا ہے کہ وجوبِ زکاۃ سے مانع نہیں کیوں کہ بیویاں عادۃً اپنے مہر کا مطالبہ نہیں کرتیں، یہ قول ہمارے مشائخ کا ہے جو بلاشبہہ قولِ حسن ہے اور اسی مہر مؤجل کے مسئلے سے دین مؤجل کے حکم کی تخریج کی گئی ہے، اس لیے یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ یہاں "مؤجل" سے مراد "مؤجل عرفی" ہے کیوں کہ مہر کے اس مسئلے میں مؤجل سے مراد مؤجل عرفی ہی ہے جیسا کہ امام ابن الہمام صاحب فتح القدیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کی صراحت فرمائی ہے۔ عبارت یہ ہے:

"و لو كان عليه مهر لامرأته و هو لا يريد أداء ه لا يجعل مانعا من الزكاة ، ذكره فی التحفة عن بعضهم لأنه لا يعدّه دينا و ذكر قبله: "مهر المرأة يمنع مؤجلا كان أو معجلا لأنها متى طلبت اخذته ". وقال بعضهم: ان كان مؤجلا لا يمنع لأنه غير مطالب به عادةً. انتهیٰ و هذا يفيد أنّ المراد المؤجل عرفًا. لا شرطًا مصرّحًا به و إلا لم يصح قوله : "لانها متى طلبت أخذته" ولا "بأنه غير مطالب به عادة" لأن هذا فی المعجّل لا المؤجّل شرطا، فلا معنى لتقييد عدم المطالبة فيه بالعادة .اه "

(ج:2،ص:120، ج:2ص:173 کتاب الزکاۃ)

جب اصل میں مؤجل سے مراد مؤجل عرفی ہے تو فرع میں بھی مؤجل عرفی ہی مراد ہوگا، اس لیے کافی، جواہر، معراج، درمختار و قہستانی وغیرہ میں جو یہ کہا گیا ہے کہ دین مؤجل مانع وجوبِ زکاۃ نہیں اس سے مراد یہ ہے کہ دین مؤجل عرفی مانع وجوب زکاۃ نہیں مگر یہ اس وقت ہے جب کہ یہ عادت ہو کہ ایسے دین کا مطالبہ نہ کیا جاتا ہو، جیسے عورت کا مہر مؤجل جو عرفاً موت یا طلاق تک مؤخر ہوتا ہے۔

الغرض اس تفصیل سے یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ نظر ظاہر کی بنیاد جن جزئیات پر رکھی گئی ہے وہ سب دین مؤجل عرفی اور مہر مؤجل عرفی کے بارے میں ہیں جب کہ ہمارے زیر بحث مسئلے میں بینکوں کے قرض "دین مؤجل مشروط" کے افراد سے ہیں اور دونوں کے احکام میں کھلا ہوا فرق ہے۔ اس لیے اگر دین مؤجل عرفی وجوبِ زکاۃ سے مانع نہ ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دین مؤجل مشروط بھی وجوبِ زکاۃ سے مانع نہ ہوگا۔ بلکہ اجماع صحابہ اور ظاہر مذہب حنفی کے پیشِ نظر حکم یہی ہوگا کہ دین مؤجل مشروط وجوبِ زکاۃ سے مانع ہے۔ لہٰذا بینکوں کے میعادی قرض بھی وجوبِ زکاۃ سے مانع ہیں۔

ب:- اس طرح کا طویل المیعاد قرض لینے والا شخص صرف سالِ رواں کی اقساط کو وضع کر کے مابقیہ مال کی زکاۃ ادا کرے گا، اگر وہ بقدرِ نصاب ہو۔ یہ موقف 12/مقالہ نگار حضرات کا ہے۔

ان حضرات کے دلائل کا حاصل یہ ہے کہ اس طرح کے طویل المیعاد قرض جو تجارت، تعمیرِ مکان، اور گاڑی وغیرہ کے لیے دیے جاتے ہیں ان کی ماہانہ، ششماہی یا سالانہ قسط کا ہی مطالبہ ہوتا ہے اور مقروض ایک سال میں اس قسط کے سوا دینے کا ارادہ بھی نہیں رکھتا، اس لیے صرف سالِ رواں کی قسط ہی وضع کی جائے گی اور باقی مال پر اگر بقدر نصاب ہو، زکاۃ واجب ہوگی، جیسا کہ میعادی مہر کے بارے میں فقہائے کرام نے حکم فرمایا ہے۔

- فتاویٰ هنديه میں ہے: "قال مشايخنا رحمهم الله تعالیٰ فی رجل عليه مهر مؤجل لامرأته و هو لا يريد أداء ه لا يجعل مانعاً من الزكاة لعدم المطالبة فی العادة و أنه حسن أيضا كذا فی جواهر الفتاوىٰ."
(ج:1، ص:173، کتاب الزکاۃ)
- بہار شریعت میں ہے: "جو دین میعادی ہو وہ مذہب صحیح میں وجوب زکاۃ کا مانع نہیں، چوں کہ عادۃً دین مہر کا مطالبہ نہیں ہوتا، لہٰذا اگرچہ شوہر کے ذمہ کتنا ہی دین مہر ہو جب وہ مالک نصاب ہے، زکاۃ واجب ہے، خصوصاً مہر مؤخر جو عام طور پر یہاں رائج ہے جس کی ادا کی کوئی میعاد نہیں ہوتی، اس کے مطالبہ کا عورت کو اختیار ہی نہیں جب تک موت یا طلاق واقع نہ ہو۔" (حصہ:5، ص:14)
- فتح القدير میں ہے: "لو كان عليه مهر لا مرأته وهو لا يريد أداء ه لا يجعل مانعاً من الزكاة ، ذكره فی التحفة عن بعضهم لأنه لا يَعُدُّه دينا." (ج:2، ص:173)
- المحيط البرهانی میں ہے: "قيل فی دين المهر: إنه يمنع الزكاة كسائر الديون، وقيل: إن كان من نية الزوج أنها متى طالبته تلقاها بلطف و يقرها أنه متى صادف مالاً لايبطل حقها يمنع وجوب الزكاة كسائر الديون و إن كان من نيته أنه متى طالبته ضربها و تلقاها بالإنكار

لا یمنع وجوب الزکاۃ."(ج:2،ص:297)

- بدائع الصنائع میں ہے:"قال بعض مشایخنا: إن المؤجل لایمنع لأنه غیر مطالب به عادۃ، فاما المعجل فیطالب به عادۃ فیمنع. و قال بعضهم: إن کان الزوج علی عزم من قضاءہ یمنع و إن لم یکن علی عزم القضاء لا یمنع لأنه لا یعد دیناً و إنما یواخذ المرأ بما عنده."(ج:2،ص:84)
- البحر الرائق فی شرح کنز الدقائق میں ہے:"و قیل: المهر المؤجل لا یمنع لأنه غیر مطالب به عادۃً بخلاف المعجل، و قیل: إن کان الزوج علی عزم الأداء منع وإلا فلا، لأنه لا یعد دینا. کذا فی غایۃ البیان."
- فتاوی رضویہ میں ہے:"آج کل عورتوں کا مہر عام طور پر مؤخر ہوتا ہے جس کا مطالبہ بعد موت یا طلاق ہوگا، مرد کو اپنے تمام مصارف میں کبھی خیال بھی نہیں آتا کہ مجھ پر دین ہے ایسا مہر مانع وجوب زکاۃ نہیں ہوتا۔(ج:4،ص:416)
- تاتار خانیہ میں ہے:"ذکر مجد الأئمۃ السرخسی عن مشایخه أنه لا یمنع."(ج:2،ص:220)
- شامی میں ہے:"(قوله: أو مؤجلا الخ) عزاہ فی المعراج إلی شرح الطحاوی و قال عن أبی حنیفة لا یمنع، وقال الصدر الشهید: لا روایة فیه، ولکل من المنع و عدمه وجه. وزاد القُهستانی عن الجواهر: والصحیح أنه غیر مانع."(ج:3،ص:177)
- فتح القدیر میں ہے:"و قال بعضهم: إن کان مؤجلا لا یمنع لأنه غیر مطالب به عادۃ انتهی، وهذا یفید أن المراد المؤجل عرفا لا شرطا مصرحا به."(ج:2،ص:120)

ج:-اس طرح کا طویل المیعاد قرض لینے والا شخص زکاۃ کیسے ادا کرے، پورے قرض کو وضع کر کے مابقیہ کی زکاۃ دے یا سال رواں کی جملہ اقساط یا بعض اقساط کو وضع کر کے زکاۃ ادا کرے؟ اس میں کچھ تفصیل ہے:

☆ اگر مسلمان نے سودی قرض بضرورت شرعی لیا مثلاً قرض نہ لینے کی صورت میں حکومت کی طرف سے اس پر انکم ٹیکس کا بھاری بوجھ لاد دیا جاتا اور قرض لینے پر جو سودی رقم دینی پڑے گی وہ اس سے کم ہے جو انکم ٹیکس میں ادا کرنی پڑتی تو میعاد کی تعیین صحیح ہونے کے باوجود وہ قرض مع سود مانع زکاۃ رہے گا کیوں کہ مطالبہ من جہۃ العباد اب بھی قائم ہے، یہی ہدایہ اور اس کے حاشیہ نمبر 11 کی عبارتوں سے ظاہر ہے۔

اور اگر بے ضرورت شرعی سودی قرض لیا گیا تو اس صورت میں سود کی رقم کو قرض کے ساتھ ضم نہیں کیا جائے گا۔ لہذا اگر قرض کو زر نقد سے منہا کرنے پر نصاب باقی ہو تو اس پر زکاۃ واجب ہوگی۔ (دیکھیے مقالہ مولانا محمد عارف اللہ مصباحی، محمد آباد)

☆ اگر حاجت مند خود مالکِ نصاب ہے، مگر اپنی کسی ضرورت کے تحت ایسا قرض لیتا ہے جس پر سالانہ یا ششماہی قسط کا ہی مطالبہ ہوتا ہے اور مقروض ایک سال میں اس قسط کے سوا دینے کا ارادہ بھی نہیں رکھتا تو سداً لباب الفساد مالِ نصاب سے صرف سالِ رواں ہی کی قسط وضع ہونی چاہیے اور باقی مال پر زکاۃ واجب ہونی چاہیے۔ اور اگر سرمایہ دار نے بلا ضرورت و حاجت محض تجارت کو فروغ دینے یا اپنی عیش و عشرت کے واسطے محض شوقیہ طویل المیعاد قرض لیا ہے تو اس کے پورے مال پر زکاۃ واجب ہونی چاہیے اور یہ قرض اس کے لیے شرعاً مانع زکاۃ نہیں ہونا چاہیے۔ یہ موقف تین حضرات کا ہے۔

☆ بینک سے مذکورہ قرض لینا اگرچہ ناجائز ہے پھر بھی اگر لے لیا تو اس کے ذمہ ایسا دین ہے جس کا مطالبہ بندوں میں سے کرنے والے موجود ہیں تو کتب فقہ کی صراحت کے مطابق جتنا حصہ دین سے مشغول ہے اتنے حصے میں زکاۃ واجب نہیں لیکن یہاں صرف اصل قرض کا اعتبار ہوگا سود کا نہیں کیوں کہ وہ شرعاً واجب الادا نہیں۔ ہاں! اس سلسلے میں یہ گنجائش نکالی جاسکتی ہے کہ سال بھر تک ادا کی جانے والی اقساط کو وجوبِ زکاۃ یا مقدارِ زکاۃ میں اثر انداز مانا جائے۔ اس طرح کہ بینکوں سے ملنے والے اس طرح کے قرض میعادی دین ہوں، کیوں کہ قرض کے بارے میں اگرچہ یہ مسئلہ ہے کہ وہ میعاد مقرر کر دینے سے میعادی نہیں ہو جاتا۔ مگر قرض کے میعادی نہ بننے کی جو علت بیان کی گئی ہے وہ غیر مسلم بینکوں سے لیے جانے والے قرض میں منتفی ہے۔ ھدایہ میں ہے:"کل دین حالّ إذا أجّله صاحبه صار مؤجلا لما ذکرنا إلا

القرض فان تاجیله لا یصح لأنه إعارۃ وصلة فی الابتداء حتی یصح بلفظ الإعارۃ ولا یملکه من لا یملك التبرع کالوصی والصبی، و معاوضة فی الانتهاء فعلی اعتبار الابتداء لا یلزم التاجیل کما فی الإعارۃ إذلا جبر فی التبرع و علی اعتبار الانتهاء لا یصح لأنه یصیر بیع الدراهم بالدراهم نسیئة و هو ربا." لیکن چوں کہ یہ میعاد مسلم کے حق میں مفید ہے، لہذا یہاں سود کا تحقق نہ ہونے کی وجہ سے اس قرض کو میعادی دین ہونا چاہیے اور جو دین میعادی ہو وہ مذہب صحیح میں وجوبِ زکاۃ کا مانع نہیں۔"

(دیکھیے مقالہ مولانا محمد نظام الدین مصباحی، علیمیہ، جمدا شاہی)

☆ اس سوال کے جواب میں مفتی محمد ایوب نعیمی، مراد آباد نہایت اختصار کے ساتھ دوٹوک جواب ارشاد فرماتے ہیں: طویل المیعاد قرض کے مانع نہ ہونے پر ہی فقرا و مساکین اور دیگر مستحقین کا بھلا ہے۔ ترجیح اسی کو ہونی چاہیے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کیا قرض میعادی ہو سکتا ہے؟ جواب نمبر (2) کے سلسلے میں ضمناً ایک مسئلہ یہ بھی آیا کہ قرض میعادی ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس باب میں شرکا اس امر پر متفق ہیں کہ اصل مذہب یہی ہے کہ قرض کی میعاد مقرر کرنا صحیح نہیں ہے، لہذا اگر اس میں میعاد مقرر کر بھی دی جائے تو شرعاً مقروض پر میعاد لازم نہیں ہوگی، وہ جب چاہے مطالبہ کر سکتا ہے۔ ہاں! بعض صورتیں ایسی ہیں جن میں میعاد مقرر کرنا صحیح ہے اور میعاد لازم بھی ہو جاتی ہے، لیکن قرض کی صورت مسئولہ ان میں سے نہیں ہے۔

- در مختار و رد المحتار میں ہے:"لزم تاجیل کل دین إلا القرض، فلا یلزم تاجیله أی إنه یصح تاجیله مع کونه غیر لازم فللمقرض الرجوع عنه."(ج:7،ص:384)
- ھدایہ میں ہے:"کل دین حالّ إذا أجّله صاحبه صار مؤجلا لما ذکرنا إلا القرض."الخ(ج:3،ص:60)
- فتح القدیر میں ہے:"ولو شرط الأجل فی ابتداء القرض صح القرض و بطل الأجل ولو مات المقرض فأجل ورثته صرح قاضی خاں بأنه لا یصح کما لو أجل المقرض، و قول صاحب المبسوط: ینبغی أن یصح علی قول البعض لا یعارضه ولا یفید ما یعتمد علیه ولا فرق بین أن یؤجّل بعد استهلاك القرض أو قبله و هو الصحیح."(ج:6،ص:484)
- در مختار میں ہے:"فلا یلزم تاجیله إلا فی أربع: إذا کان محجوراً، أو أحاله علی اخر فأجّله المقرض، أو أحاله علی مدیون مؤجل دینه، والرابع الوصیة أوصی بأن یقرض من ماله ألف درهم فلانا إلی سنة فیلزم من ثلثه ویسامح فیها نظراً للموصی، أو أوصی بتاجیل قرضه الذی له علی زید سنة فیصح ویلزم."

(در مختار علی هامش رد المحتار ج:4،ص:170)

- بہارِ شریعت میں رد المحتار کے حوالے سے ہے:"قرض دار نے قرض خواہ سے تنہائی میں کہا کہ اگر تم مہلت نہ دو گے تو میں اس قرض کا اقرار ہی نہ کروں گا۔ اس نے گواہوں کے سامنے میعادی دین کا اقرار کیا تو میعاد صحیح ہے۔"(حصہ:11،ص:128)

لیکن بایں ہمہ اس امر میں اختلاف ہے کہ اگر مقرض مطالبۂ قرض کو جو اس کا اپنا حق ہے مؤخر کر کے قرض دار کے لیے اس کی ادائگی کی کوئی میعاد مقرر کر دے تو اس صورت میں قرض بھی باب زکاۃ میں دیگر دیون مؤجلہ کی طرح ہو جائے یا نہیں؟ اس سلسلے میں بھی مقالہ نگار حضرات تین حصوں میں منقسم نظر آتے ہیں۔

(1) وہ حضرات جن کا موقف (**الف**) کے تحت بیان کیا گیا ہے وہ مقرض کی طرف سے تاجیل کی تقدیر پر بھی قرض کو دیگر دیون مؤجلہ کی طرح تسلیم نہیں کرتے ہیں اور دلیل میں وہ تمام عبارتیں پیش فرماتے ہیں جو ابھی ذکر کی گئیں۔ بلکہ ان میں قاضی شہید عالم رضوی، بریلی شریف فرماتے ہیں کہ دین مؤجل بھی مانعِ وجوبِ زکاۃ ہے چناں چہ وہ "رفع اشتباہ" کے عنوان کے تحت رقم طراز ہیں:

"معراج میں شرح طحاوی کی طرف منسوب کرتے ہوئے کہا کہ امام ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ دین مؤجل مانع وجوبِ زکاۃ نہیں ہے اور صدر شہید کا قول نقل کیا کہ: اس بارے میں امام ابوحنیفہ سے کوئی روایت نہیں، لہذا ان دونوں اقوال میں تعارض ہوا۔ البتہ قہستانی نے جواہر سے جو زیادہ کیا: یعنی الصحیح أنه غیر مانع اس کا مفاد یہ ہے کہ دین مؤجل مانع وجوبِ زکاۃ نہیں۔ لیکن ہدایہ، عنایہ، خانیہ، در مختار اور البحر الرائق میں دین مطالب من جانب عباد خواہ معجّل ہو یا مؤجل دونوں کو مانعِ وجوب قرار دیا اور

اختلاف کا اصلاً ذکر بھی نہ کیا۔ شیخ ابوبکر ابن مسعود کاسانی علیہ الرحمہ نے مشغول بالدین پر عدم وجوبِ زکاۃ کو مطلقاً اجماعی کہا، ہدایہ اگر چہ صورۃً شرح ہے لیکن متون میں معدود اور قاضی خاں کی تصحیح سے عدول نہیں۔ امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

''ایک امام برہان الحق والدین فرغانی صاحب ہدایہ ہیں جن کی جلالت شان آفتاب نیم روز و ماہ تابِ نیم ماہ سے اظہر، ایک امام محقق علی الاطلاق کمال الدین ابن الہمام ہیں جن کی نسبت علما کی تصریح کہ پایۂ اجتہاد رکھتے ہیں یہاں تک کہ ان کے بعض معاصرین انھیں لائقِ اجتہاد کہتے ہیں حالاں کہ معاصرت دلیل منافرت ہے۔ رد المحتار میں ہے:"قد منا غير مرة أن الكمال من أهل الترجيح كما أفاده في قضاء البحر بل صرح بعض معاصريه بأنه من أهل الاجتهاد "۔ ایک امام علامہ فقیہ النفس قاضی خاں ہیں جن کی نسبت علما فرماتے ہیں: ان کی تصحیح اوروں کی تصحیح پر مقدم ہے۔ غمز عیون البصائر میں ہے:"في تصحيح القدوري للعلامة قاسم أن ما يصححه قاضي خاں من الأقوال يكون مقدما على ما يصححه غيره لأنه كان فقيه النفس." اور فرماتے ہیں: ان کی تصحیح سے عدول نہ کیا جائے۔ رد المحتار میں ہے:" كن على ذكر مما قالوا لا يعدل عن تصحيح قاضي خاں فانه فقيه النفس."(فتاویٰ رضویہ، ج:5، ص:309)

اب راجح یہی ہوا کہ دین مؤجل بھی مانع وجوبِ زکاۃ ہے۔

(2) وہ حضرات جن کا موقف (**ب**) کے تحت بیان کیا گیا ہے وہ مقرض کی طرف سے تاجیل کی تقدیر پر قرض کو بابِ زکاۃ میں دیگر دیون مؤجلہ کی طرح مانتے ہیں اور اس پر درج ذیل دلائل پیش فرماتے ہیں:

- فتح القدیر میں ہے:"وقول المبسوط: ينبغي أن يصح على قول البعض."
- غمز العیون میں ہے:"الأولى القرض يعني لا يلزم تاجيله و خالف مالك و قال يلزم تاجيله فالخلاف بيننا و بينه في اللزوم لا في الصحة. قلت: و على هذا فقول الكنز"و صح تاجيل كل دين إلا القرض، الصحة فيه بمعنى اللزوم."(حاشیہ حموی علی الاشباہ، ج:2، ص:46)
- بہارِ شریعت میں ہے:''میعاد صحیح نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ دائن کو فوراً وصول کر لینا واجب ہے، وصول نہ کرے گا تو گنہ گار ہے، بلکہ یہ کہ مدیون کو فوراً دینا واجب ہے اور دائن کا مطالبہ صحیح ہے۔ اور دائن وصول کرنے میں تاخیر کر رہا ہے تو یہ اس کا احسان وتبرع ہے۔
- قرض کی تاجیل کے عدم صحت کا حکم، عاریت میں تاجیل کے عدم صحت پر قیاس کی بنیاد پر ہے اور عرف عام کی وجہ سے جہاں قیاس کو ترک کرنا پڑے، ترک کیا جائے گا اور عرف عام کے مطابق فتویٰ دیا جائے گا جیسا کہ علامہ ابن عابدین شامی تحریر فرماتے ہیں:"فإن العرف معتبر إن كان عاماً فإن العرف العام يصلح مخصِصا كما مر عن التحرير و يترك به القياس." مزید فرماتے ہیں: "والتعامل حجة يترك به القياس."(مجموعہ رسائل ابن عابدین، ج:2، ص:116)
- قرض میں میعاد مقرر کرنے پر تعامل ناس ہے اور فقہاے کرام نے بہت سے ناجائز عقود میں تعامل ناس کا لحاظ کرتے ہوئے حکم جواز دیا ہے۔

(3) وہ مندوبین کرام جنھوں نے اس ضمنی مسئلہ پر اپنی کوئی راے ظاہر نہیں فرمائی۔

قرض کو زکاۃ سے فرار کا حیلہ بنانے کا حکم: سوال نامہ میں یہ خدشہ ظاہر کیا گیا تھا کہ لوگ لمبی میعاد کے قرض کو زکاۃ سے فرار کا حیلہ بنا سکتے ہیں، چوں کہ یہ مستقلاً کوئی سوال نہیں تھا بلکہ یوں ہی ایک خدشہ ظاہر کیا گیا تھا، اس لیے بیش تر مقالہ نگار حضرات نے اس طرف کوئی توجہ نہیں فرمائی، تاہم بعض حضرات نے اس کا بھی حکم بیان فرمادیا ہے جس کا حاصل درج ذیل ہے۔

لمبی میعاد کا قرض اس لیے لینا کہ زکاۃ فرض نہ ہو اور وجوب زکاۃ کی صورت میں کچھ مال نہ دینا پڑے ناجائز ہے۔ چناں چہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

- ہماری کتب مذہب میں اس مسئلہ میں امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا اختلاف نقل کیا گیا ہے اور ساتھ ہی یہ صراحت ہے کہ فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے کہ ایسا فعل جائز

نہیں۔ تنویر الابصار و درِ مختار و درر و غرر و جوہرہ وغیرہا میں ہے واللفظ للأولين:

"و أما الحيلة لدفع ثبوتها ابتداء فعند أبي يوسف لا تكره و عند محمد تكره و يفتى بقول أبي يوسف في الشفعة و بضده و هو الكراهة في الزكاة."

(فتاویٰ رضویہ رسالہ رادع التعسف ملخصاً)

- غمز العیون میں ہے:"الفتوى على عدم جواز الحيلة لإسقاط الزكاة ، و هو قول محمد رحمه الله تعالى و هو المعتمد."(ج:4، ص:222)
- غمز العیون میں تاتار خانیہ سے ہے:"كان ذلك مكروها عند الإمام و محمد."(رحمهما الله تعالیٰ)
- خزانۃ المفتین میں فتاویٰ کبریٰ سے ہے:"والحيلة في منع وجوبِ الزكاة تكره بالإجماع."
- فتاویٰ عالم گیری میں ہے:"مذهب علماء نا أن كل حيلة يحتال بها الرجل لإبطال حق الغير أولإدخال شبهة فيه فهي مكروهة .اه"(ج:4، ص:376)
- حدیقہ ندیہ میں ہے:"الحيلة إذا كانت على تحريم حلال أو تحليل حرام أو إبطال حق أو تحقيق باطل فهي حرام بلا خلاف و إنما الخلاف في الحيلة إذا فعلت مع كونها حراما." (ج:1، ص:208)
- رد المحتار میں ہے:"وإذا فعله (أي الاستهلاك) حيلة لدفع الوجوب كأن استبدل نصاب السائمة بآخر أو أخرجه عن ملكه ثم أدخله فيه، قال أبو يوسف: لا يكره لأنه امتناع عن الوجوب لا إبطال حق الغير و في المحيط أنه الأصح. و قال محمد : يكره، و اختاره الشيخ حميد الدين الضرير لأن فيه إضراراً بالفقراء و إبطال حقهم مالا. و كذا الخلاف في حيلة دفع الشفعة قبل وجوبها و قيل الفتوىٰ في الشفعة على قول أبي يوسف و في الزكاة على قول محمد و هذا تفصيل حسن." (ج:2، ص:22)

......تیسرا، چوتھا سوال اور ان کے جوابات......

تیسرا سوال:- بڑے تجار جن کے بزنس کروڑوں میں چل رہے ہوتے ہیں وہ اپنے بزنس کے لیے قرضوں پر قرض لیتے رہتے ہیں۔ اگر ان کا دس لاکھ بزنس میں لگا ہوا ہے تو دس بارہ لاکھ کا بینک کا قرضہ بھی ہوتا ہے اور سات یا آٹھ لاکھ بینک بیلنس بھی، پھر وہ کیسے زکاۃ نکالیں؟

چوتھا سوال:- بعض لوگ موٹر سائیکل یا کشتی وغیرہ بھی قرض سے لیتے ہیں مگر اس کی مدت ادائگی پانچ سال کو محیط ہوتی ہے۔ مثلاً ایک کار کسی نے 25 ہزار کی خریدی، اس کی مدت ادائگی پانچ سال ہے اور اس کی ماہانہ قسط پانچ سو ہوتی ہے۔ اس طرح خریدار پانچ سال میں اس کو ادا کر چکا ہوتا ہے۔ اس دوران وہ اپنے مکان کی قسطیں بھی جمع کر رہا ہوتا ہے اور بزنس بھی کرتا ہے، مزید بینک بیلنس بھی رکھتا ہے، اب اس صورت میں وہ زکاۃ کیسے نکالے؟

ان دونوں سوالوں کے جواب میں مندوبین کرام تین خانوں میں بٹے ہوئے ہیں:

الف:- مقدار قرض سے زائد مال کی زکاۃ ادا کرے، بشرطے کہ وہ زائد مال بقدرِ نصاب ہو۔ یہ موقف 7/مقالہ نگار حضرات کا ہے۔

ب:- پورے مال سے سالِ رواں کی اقساط وضع کر کے مابقیہ کی زکاۃ ادا کرے، بشرطے کہ وہ بقدرِ نصاب ہو۔ یہ موقف 8/مقالہ نگار حضرات کا ہے۔

ج:- 15/مقالہ نگار حضرات نے ان دونوں سوالوں سے متعلق الگ سے کوئی صراحت نہیں فرمائی لیکن ان کے مقالات پڑھنے سے یہ امر بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ اس مسئلہ میں ان حضرات کا موقف وہی ہے جو سوال 2/ کے جواب میں انھوں نے اختیار فرمایا ہے۔

یہ ہے 29/مقالات کا ایک جائزہ۔ اب درج ذیل امور ان مسائل کے حل کے لیے تنقیح طلب ہیں۔

..........● تنقیح طلب امور ●..........

(1) کفار کے بینک یا ان کی کمپنی سے سودی قرض لینا جائز ہے یا نہیں؟ بصورتِ اثبات مطلقاً جائز ہے یا بعض مخصوص صورتوں میں؟

(2) دین مؤجل مانعِ وجوبِ زکاۃ ہے یا نہیں؟

(3) مقرض کی طرف سے میعاد مقرر ہو جانے کی صورت میں قرض مانع وجوبِ زکاۃ ہوگا یا نہیں؟

(4) بہر حال طویل المیعاد قرض لینے والا شخص زکاۃ کیسے ادا کرے؟

(5) سود کی رقم قرض یا دین میں شامل ہو کر وجوبِ زکاۃ میں اثر انداز ہوگی یا نہیں؟

☆☆☆☆

خلاصۂ مقالات بہ عنوان

درآمد برآمد ہونے والے گوشت کا حکم

مولانا محمد ناظم علی مصباحی

جامعہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ کی مجلس شرعی کے سولہویں فقہی سمینار کے سات منتخب موضوعات میں سے ایک اہم موضوع ''درآمد برآمد ہونے والے گوشت کا حکم'' تھا۔ اس علمی موضوع پر ملک کے طول وعرض سے جن مقالہ نگار معزز علمائے کرام نے مقالات لکھے اور اپنے گراں قدر مقالات اور بیش قیمت آرا سے مجلس کا علمی وفقہی تعاون فرمایا، ان کی تعداد 29/اور تمام مقالات کے صفحات کی مجموعی تعداد 102/ ہے۔ تحریر فرمودہ مقالات کے مطالعہ سے مختلف رائیں سامنے آئیں۔ اس موضوع سے متعلق تین اہم سوالات تھے۔

(1) مسلم ممالک سے مسلم ممالک کو درآمد برآمد کیا جانے والا گوشت حلال ہے یا نہیں؟

(2) جن حکومتوں میں مسلمان بھی شریک ہیں، اگر وہاں کا گوشت مسلم حکمراں کے ذریعہ برآمد ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

(3) ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل کیا جانے والا گوشت شریعت کی نگاہ میں کیسا ہے؟

مذکورہ بالا سوالات میں سے پہلے سوال کے جواب میں ایک رائے یہ سامنے آئی کہ گوشت کو حلال مانا جائے۔ یہ رائے مولانا رضاء الحق مصباحی جامع اشرف کچھوچھ کی ہے۔ وہ اس کی دلیل کے تحت لکھتے ہیں:

''مسلم ممالک سے برآمد درآمد ہونے والے گوشت کو حلال مانا جائے۔ مسلم ممالک سے گوشت کا آنا ہی اس کے حلال ہونے کی دلیل ہے جب تک کہ اس کے خلاف دلیل تحریم موجود نہ ہو اور تحریم کے لیے محض یہ احتمال کہ ہوسکتا ہے کہ ذبح کرنے والا ذبح کا اہل نہ ہو یا شرعی طور پر ذبح نہ کیا ہو۔ دلیل تحریم کے لیے کافی نہیں، کیوں کہ اس طرح کا احتمال تو اسلامی ملکوں یا شہروں یا مسلمانوں کے ذریعہ بازار میں فروخت ہونے والے گوشت میں بھی موجود ہے، حالاں کہ وہ حرام نہیں۔ (مقالہ، ص:2)

دوسرے اور تیسرے سوال کے جواب سے بھی یہی رائے ظاہر ہے۔

مولانا ابرار احمد اعظمی ندائے حق جلال پور نے کچھ قید وشرط کے ساتھ حلال ہونے کی رائے ظاہر کی ہے، جیسا کہ لکھتے ہیں:

''ایک اسلامی ملک سے دوسرے اسلامی ملک میں برآمد کیے جانے والے گوشت کو حلال ہونا چاہیے کہ گوشت کی خرید وفرخت مسلم حکمراں کے ذریعہ وجود میں آتی ہے اور حسن ظن کے پیش نظر ایک مسلمان کے حق میں یہی ظاہر ہے کہ وہ شرعی طور پر ذبح شدہ حلال جانوروں کی خرید وفروخت کرتا ہے۔ رہا ایک ملک سے دوسرے ملک گوشت منتقل کرنا تو اس کا تعلق معاملات سے ہے جس میں کافر ومشرک پر بھی اعتماد جائز ہے۔ البتہ دور دراز اسلامی ملک وشہر سے برآمد گوشت میں فاسق وفاجر عملہ کے ذریعہ نقل وبرد کے سبب اشتباہ موجود ہے، اس لیے رفع اشتباہ کے لیے تحری کا حکم ہونا چاہیے۔ بعد تحری دل پر جمے کہ یہ مسلمان ہی کا ذبیحہ ہے تو کھالے ورنہ احتراز کرے۔ (مقالہ، ص:3)

مولانا محمد نصر اللہ رضوی ومولانا محمد انور نظامی کی رائے یہ ہے کہ اگر چہ لانے، لے جانے والے کفار ملازم ہوں، اگر ان کے صدق پر دل جمے تو حلال ہے کہ یہ دیانات ضمنیہ سے ہے تبیین الحقائق میں ہے:

"ولا يقبل فی الديانات لعدم الحاجة إلا إذا كان قبوله فی المعاملات يتضمن قبوله فی الديانات فحينئذ تدخل فی ضمن المعاملامت فيقبل قوله فيها ضرورة و كم من شيئ يصح

استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

ضمنا ولا يصح قصدا۔" (27/7)

فتاویٰ رضویہ میں ہے:

''اگر قرائن کی اسے اس کافر کے قول میں شک نہ پیدا ہو، ظن غالب اس کے صدق ہی کا ہو تو مسلمان کے لیے اس ذبیحہ کے کھانے میں کوئی حرج نہیں کہ ہدیہ لانا از قبیل معاملات ہے اور معاملات میں کافر کی بات مقبول اور جب یہ مان لیا گیا کہ یہ ذبیحہ فلاں مسلمان کا بھیجا ہوا ہے تو اس کے ضمن میں حلت بھی مسلم ہو گئی، اگر چہ ابتداءً حلت، حرمت، طہارت، نجاست وغیرہا امور خالصہ دینیہ میں کافر کا قول مقبول نہیں۔ ہاں اگر بہ نظر قرائن اس کی بات میں شک پڑے، کچھ فریب معلوم دے تو ہرگز نہ کھائے کہ ذبیحہ کی حلت مشکوک وموہوم بات سے ثابت نہ ہوگی: فان الحيوان ما كان حيا كان حراما و إنما يحل بذبح مشروع فلا يثبت الطاری بالشك۔"

(8/351-352، کتاب الذبائح، رضا اکیڈمی)

مولانا قاضی فضل احمد بنارس نے یہ رائے ظاہر کی:

''مسلم ممالک سے مسلم ممالک کو درآمد کیا جانے والا گوشت اس وقت تک حلال تصور کیا جائے گا جب تک کوئی یہ نہ بتائے کہ مشرک ومجوسی کی دوکان سے خریدا گیا ہے، یا مشرک ومجوسی کا ذبیحہ ہے، یا جب تک برآمد کرنے والوں کا فسق وفجور اور حلال وحرام میں عدم امتیاز معروف ومشہور نہ ہو جائے۔ رد المحتار میں ہے:

"بخلاف الذابح فی بلاد الإسلام فإن الظاهر أنه يحل ذبيحته و أنه سمی و احتمال عدم ذالك موجود فی اللحم الذی يباع فی السوق و هو احتمال غير معتبر فی التحريم قطعا." (306/5)

نیز رد المحتار میں ہے:

"و فی التتار خانية قبيل الاضيحة عن جامع الجوامع لأبی يوسف من اشتری لحما فعلم أنه مجوسی و أراد الرد فقال ذبحه مسلم يكرهٗ اكله اھ و مفادهٗ مجرد كون البائع مجوسيًا يثبت الحرمة فانه بعد اخباره بالحل بقوله ذبحه مسلم كره اكله فكيف بدونه تأمل." (219/5)

دوسرے اور تیسرے سوال کے جواب میں یہ ہے کہ اگر ذبح ونقل وحمل میں مسلمانوں کا عمل دخل ہے تو کھانا جائز ورنہ احتراز لازم ہے کہ بہر حال شبہہ ہے۔

مولانا نظام الدین قادری دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی کی رائے یہ ہے:

''مسلم ممالک سے مسلم ممالک کو برآمد کیا جانے والا گوشت اگر وقت ذبح سے وقت فروخت تک کے مراحل مسلمانوں کے ذریعہ انجام پاتے ہوں تو یہ گوشت خریدنا اور کھانا جائز ہوگا......اور اگر جہاز وغیرہ کسی مرحلہ میں وہ گوشت کسی کی نگرانی میں نہ رہ گیا ہو، البتہ کوئی شخص بازار میں اس کو کسی مسلم کی دکان سے خریدے لیکن خریدار کو یہ معلوم نہ ہو کہ ایک مسلم ملک سے دوسرے ملک تک پہنچنے تک کوئی وقت ایسا گزرا ہے جس میں یہ گوشت صرف کسی غیر مسلم کی دیکھ ریکھ میں رہا ہے، جب بھی اس گوشت کا کھانا حلال ہونا چاہیے کیوں کہ بائع جب مسلم ہے تو اس کا مسلم ہونا اس ظن غالب کا باعث ہوگا کہ یہ کسی حلال جانور کا شرعی طریقہ پر ذبح کیا ہوا گوشت ہے۔'' (مقالہ، ص:2-1)

مفتی بدر عالم مصباحی استاذ ومفتی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی رائے یہ ہے۔

''درآمد برآمد کیا جانے والا گوشت حلال ہونا چاہیے بشرطے کہ ذبح میں مشینوں کا استعمال نہ ہو، کتب حدیث وفقہ کی روشن تصریح ذکر کرنے کے بعد حلت کی دو وجہیں ذکر کر کے لکھتے ہیں:

وجہ حرمت اصلاً مسلمان کی نگاہ سے غائب ہونا نہیں ہے بلکہ اس باب میں اصل ہے شبہہ حرمت ......تو جہاں شبہۂ حرمت کا کوئی قاطع اور نافی ہو وہاں مسلم کی نگاہ سے غائب ہونے کے باوجود فقہائے اسلام نے حلت کا قول کیا۔ کافر ملازم اور اجیر کے بدست گوشت لانے پہنچانے پر حرمت نہیں حالاں کہ یہاں بھی مسلم

کی نگاہوں سے اوجھل ہونا پایا گیا۔ فتاویٰ عالم گیری میں ہے-"من أرسل أجيرا له مجوسيا أو خادما فاشترى لحما فقال اشتريته من يهودى أو نصرانى أو مسلم وسعه أكله."(308/5)

فتاویٰ رضویہ میں ہے:''بکرا وقت ذبح سے مسلمان کے ہاتھ میں پہنچنے تک مسلمان کی نگاہ سے غائب نہ ہوا اور اگر اسے دے دیا اور کوئی مسلمان دیکھتا نہ رہا، اس نے گوشت بنایا اور مسلمانوں کو دیا تو اب اس کا کھانا سرے سے حلال ہی نہ رہا۔ فان الكافر لا يقبل قوله فى الديانات۔ ہاں اگر اس کو اجیر کیا تو جواز رہے گا ، لان الكافر يقبل قوله فى المعاملات۔"(364/8)

اسی میں ہے:''بخلاف اس کے کہ مسلمان اپنے کسی نوکر یا مزدور مشرک کو گوشت لینے بھیجے اور وہ خرید کرلائے اور کہے کہ میں نے مسلمان سے خریدا ہے، اس کا کھانا جائز ہوگا جب کہ قلب میں اس کا صدق جمتا، کہ اب یہ اصالۃً دربارۂ معاملات قول کافر کا قبول ہے اگر چہ حکم دیانت کو متضمن ہو جائے گا۔''(351/8)

مزید لکھتے ہیں:''ذبح شرعی معلوم و متحقق ہو پھر کسی اجیر نوکر ملازم خاص، خادم خاص کے بدست مسلمان تک پہنچے تو اسے حلال مانا جائے گا اور یہی حکم اس وقت بھی ہے جب ذابح نامعلوم ہو لیکن محل و مقام ایسا ہے کہ مسلمان ہی ذابح ہوتے ہوں ...... یہی حکم دوسرے اور تیسرے سوال کا بھی ہے کہ ذبح شرعی معلوم و متحقق ہو پھر مسلم حکمراں کے ذریعہ برآمد کیا جائے تو یہ گوشت حلال وطیب مانا جائے گا، اگر چہ بیچ میں پہنچانے والے مسلمان یا کافر و مشرک ہوں لیکن انھیں اسی کام کے لیے اجیر رکھا ہو۔''

مولانا قاضی فضل رسول برگدہی کی رائے یہ ہے کہ درآمد برآمد کرنے والے مسلم ہوں تو مطلقاً حلال ہے، غیر مسلم ہوں تو بر بنائے تحری صدق حلال ورنہ حرام ہے۔ مولانا احمد رضا مصباحی دار العلوم تنویر الاسلام امرڈوبھا کی بھی یہی رائے ہے۔ مزید وہ لکھتے ہیں کہ ایک مسلمان تاجر سے خریدا ہوا گوشت شرعاً حلال ہے، البتہ اگر خریدار کو یہ معلوم ہو کہ وہ غیر مسلموں یا حد کفر تک پہنچے بد مذہبوں سے درآمد گوشت خریدتا ہے تو ممنوع ہے اور اگر یہ معلوم ہو کہ کسی بد مذہب یا غیر مسلم کے قبضہ و تصرف میں رہ چکا ہے تو حرام ہے۔

مولانا محمد عالم گیر رضوی مصباحی کی رائے یہ ہے کہ مشینی ذبیحہ کا گوشت ہے تو حرام و مردار ہے، ورنہ سات شرطوں کے تحقق کے وقت حلال ہے۔ مولانا شمشاد احمد مصباحی استاذ جامعہ امجدیہ گھوسی کی رائے یہ ہے کہ یہ گوشت متعدد وجوہ سے مشتبہ ہے، اس لیے اس کا کھانا حرام ہے کہ یقین ہی نہیں کہ مسلم یا کتابی کا ذبیحہ ہے اور اگر یقین بھی ہو تو وقت ذبح سے مسلم ملک آنے تک عموماً نظر مسلم سے اوجھل رہتا ہے ہاں اگر مسلم یا اس کے کافر و مشرک معتمد ملازم کے زیر نگرانی مستقل رہے تو حلال ہے، مگر ایسا ہوتا نہیں۔

باقی حضرات کی بھی تقریباً یہی رائے ہے۔ ان میں سے بعض حضرات نے جواز کی صورتیں بھی تحریر کی ہیں اور گوشت کے احوال کا تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے اور شبہۂ حرمت کے سبب حرمت کو ترجیح دی ہے اور حلت کے لیے سات شرطوں کا تحقق لازم قرار دیا ہے جو عام حالات میں مفقود ہے۔ ان حضرات نے فقہائے کرام کی متعدد عبارتوں کے ساتھ فتاویٰ رضویہ کی اس عبارت سے بھی استدلال کیا ہے:

''ہاں جب تک وہ گوشت ذابح مسلم خواہ اور کسی مسلمان کی نگاہ سے غائب نہ ہو تو اس کو اور نیز دوسرے کو اس مسلمان کی خبر پر کہ یہ وہی گوشت ہے جو مسلمان نے ذبح کیا، خریدنا اور کھانا سب جائز ہے کہ اب خبر مسلم ہے نہ کافر، مگر وہ مخبر ثقہ نہ ہو تو قلب پر اس کا صدق جمنا شرط ہوگا فى التنوير شرط العدالة فى الديانات و يتحرى فى الفاسق والمستور۔'' (351/8)

فتاویٰ رضویہ میں ہے:''ان بلاد میں کہ مومن اور کافر، مشرک، ملحد، مرتد، زندیق ہر قسم کے لوگ رہتے ہیں، ایسا نامعلوم الحال ذبیحہ حلال نہ سمجھا جائے گا۔''(355/8)

مولانا ساجد علی مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ نے فتاویٰ رضویہ کی گزشتہ عبارت کی روشنی میں تحریر کیا ہے:

''اگر سنی صحیح العقیدہ مسلمانوں کی جماعت اپنی نگرانی میں گوشت درآمد برآمد کرے، اگر چہ بعض

مقامات پر بعض معتمد غیر مسلموں کو اجیر رکھ کر نقل و حمل میں ان سے تعاون لے تو وہ گوشت خریدنا اور کھانا جائز ہوگا۔''(مقالہ،ص:2)

مولانا کمال الدین احمد رضوی، باندہ تحریر فرماتے ہیں:

''جس کمپنی کے معتمد ہونے کے بارے میں اس ملک کے مقتدر و معتمد علمائے کرام جس کے ذبیحہ کے متعلق تصدیق صادر فرمادیں کہ یہ معتمد کمپنی ہے اور فروخت کرنے والے اور لانے والے بھی مسلم ہوں تو اس گوشت کو کھانے میں کوئی حرج نہیں۔''(مقالہ،ص:3)

مولانا شیر محمد خاں مصباحی دار العلوم وارثیہ گوشت کی حلت کی شرطیں اور اس کے احوال کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''درآمد برآمد گوشت میں ہندو ملازمین کی اکثریت ہوتی ہے اور ذبح کے لیے کوئی مولوی صاحب آتے ہیں مگر عقیدے کا کوئی پتہ نہیں بہر حال درآمد برآمد گوشت میں شبہات قائم ہیں اس لیے جب تک حلت کی ساری شرطیں متحقق نہ ہوں عدم جواز ہی کا حکم ہونا چاہیے۔''(مقالہ،ص:2)

مولانا نور احمد مصباحی جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے حرمت کے دلائل ذکر کر کے لکھا:

''احتیاط اسی میں ہے کہ جب پورے طور سے دل جم جائے کہ مسلمان ہی کا ذبیحہ ہے، نیز یہ بھی معلوم ہو کہ مسلمان ہی کے ذریعہ یا کم از کم مسلمانوں کی نگرانی میں گوشت منتقل ہوا ہے...... تو اب گوشت حلال ہوگا، اس کا خریدنا اور کھانا دونوں جائز ہوگا۔''(مقالہ،ص:2)

حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین صاحب قبلہ رضوی صدر شعبۂ افتا و ناظم مجلس شرعی و استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور فرماتے ہیں:

(1) ایک مسلم ملک سے دوسرے مسلم ملک کو جو گوشت ارسال کیا جاتا ہے، اگر ذبح شرعی کے وقت سے مسلم ملک میں پہنچنے تک برابر مسلمانوں کے زیر نگرانی رہتا ہے یا قابل اعتماد غیر مسلم ملازم بھی ساتھ ہے جو مسلمان کے کہیں جانے کی صورت میں نگرانی کرتا ہے اور یہ ملازمین اس میں کوئی بے اعتنائی نہیں برتتے تو وہ گوشت حلال ہے، ورنہ حرام۔

(2) مسلم حکمراں کو بھی درج بالا شرط کی پابندی لازمی ہے، التزام شرط کے ساتھ حلال ہے ورنہ حرام۔

(3) یہ بھی درج بالا شرط کے ساتھ حلال اور اس کے فقدان کی صورت میں حرام ہے۔ اس صورت میں شرط کی پابندی عموماً ملحوظ ہوتی ہے، جب کہ پہلی اور دوسری صورتوں میں بالالتزام اس کا لحاظ نہیں کیا جاتا بلکہ عام طور سے مسلم حکمراں اور ملازمین اس شرط سے واقف بھی نہیں ہوتے، ان کے نزدیک اتنا کافی ہے کہ گوشت پر حلال کی مہر لگی ہوئی ہے، اس لیے زیادہ تر حالات میں یہ گوشت شبہۂ حرمت سے پاک نہیں جس کا حکم عدم جواز ہے۔

اور بہر حال یہ حکم اس حلال جانور کا ہے جسے شرعی طور پر کسی مسلمان نے ذبح کیا ہو، اور اگر اسے غیر شرعی طور پر ذبح کیا گیا ہو، جیسے مشین کے ذبائح تو وہ یوں ہی حرام ہیں، شرط ارسال کی پابندی سے کیا حلال ہوں گے۔''(مقالہ،ص:1)

آپ مختلف شہادتیں ذکر فرما کر تحریر فرماتے ہیں:

''یہ انکشافات واضح طور پر شہادت دے رہے ہیں کہ ماکول اللحم جانور بھی اصالۃً حرام ہی ہوتے ہیں اور ''ذبح شرعی'' کی وجہ سے حلال قرار پاتے ہیں، لہذا جب تک ان کے ذبح شرعی کا یقین نہ ہوگا حرام مانے جائیں گے۔

اور کھلی ہوئی بات ہے کہ کافر و مشرک کے ذریعہ جو گوشت حاصل ہوتا ہے اس کے ذبح شرعی کا یقین نہیں، بلکہ شک ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اس نے خود ہی ذبح کر کے یا گلا دبا کر یہ گوشت فراہم کیا ہو اور باب حرمت میں شبہہ بھی مثل یقین ہوا کرتا ہے، اس لیے یہ گوشت حرام ہونا چاہیے اور باجماع ائمۂ اربعہ حرام ہونا چاہیے۔ یہاں تک کہ اگر وہ غیر مسلم یہ کہتا ہے کہ یہ گوشت مسلمان کے ذبح کیے ہوئے جانور کا ہے تو بھی اس کا اعتبار نہ ہوگا، کیوں کہ حلت و حرمت کا تعلق باب دیانات سے ہے اور

باب دیانات میں کافر کی خبر بالاجماع نا مقبول ہے، چناں چہ در مختار میں ہے: خبر الكافر مقبول بالإجماع في المعاملات لا في الديانات.

رد المحتار میں ہے:''في التتار خانية قبيل الاضحية عن جامع الجوامع لأبي يوسف : من اشترى لحما فعلم أنه مجوسي و أراد الرد فقال : "ذبحه مسلم" يكره أكله اھ۔ و مفاده: أن مجرد كون البائع مجوسيا يثبت الحرمة فإنه بعد إخباره بالحل بقوله "ذبحه مسلم" كره أكله فكيف بدونه."

(497/9 كتاب الحظر و الإباحة دار الباز)

اسی لیے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنے ایک فتویٰ میں یہ صراحت فرمائی:''حکم شرعی یہ ہے کہ مشرک یعنی کافر غیر کتابی سے گوشت خریدنا جائز نہیں، اور اس کا کھانا حرام ہے، اگرچہ وہ زبان سے سو بار کہے کہ یہ مسلمان کا ذبح کیا ہوا ہے۔ اس لیے کہ امرونہی میں کافر کا قول اصلاً مقبول نہیں۔

ہاں اگر وقت ذبح سے وقت خریداری تک وہ گوشت مسلمان کی نگرانی میں رہے بیچ میں کسی وقت مسلمان کی نگاہ سے غائب نہ ہو اور اطمینان کافی حاصل ہو کہ یہ مسلمان کا ذبیحہ ہے تو اس کا خریدنا جائز اور کھانا حلال ہوگا۔ (فتاویٰ رضویہ 349/8، سنی دارالاشاعت)

یہ فتویٰ ہے فقہ حنفی کے ایک عبقری فقیہ کا جو اجتہاد فی المسائل کے منصب پر فائز تھے، لیکن جن اصولوں کی بنیاد پر انھوں نے یہ فتویٰ صادر کیا وہ اجماعی ہیں یعنی (1) ماکول اللحم جانور کا اصالۃً حرام ہونا، (2) ذبح شرعی کے ذریعہ حلال ہونا، (3) ذبح شرعی میں شک کی بنا پر حرمت کا باقی رہنا، (4) باب دیانات میں کافر کی خبر کا نا مقبول ہونا۔ اس لیے یہی فیصلہ باقی تینوں مذاہب فقہ کا بھی ہونا چاہیے۔'' (مقالہ ص:4-3)

اس کے بعد آپ نے یہ تحریر فرمایا کہ گوشت مسلمان کی نظر سے اوجھل نہ ہونا شرط حلت ہے، فقیہ النفس امام قاضی خاں کی روشن تصریح ذکر کر کے صاحب ہدایہ کی تعلیل تحریر فرمائی:

"لما روى عن النبي عليه السلام أنه كره أكل الصيد إذا غاب عن الرامي و قال : لعل هو ام الارض قتلته ولأن احتمال الموت بسبب اخر قائم فما ينبغي أن يحل أكله لأن الموهوم في هذا كالمتحقق لما روينا."(494/4 كتاب الصيد)

اس کے بعد آپ فرماتے ہیں:

''تیر لگنے سے شکار کا بھاگنا پھر نگاہوں سے اوجھل ہو جانا، ایک ناگزیر امر ہے، پھر بھی یہ شکار کی حرمت کا باعث صرف ایک شک اور وہم کی وجہ سے ہو گیا، حالاں کہ یہ مسئلہ ذبح اضطراری کا ہے، جس میں شریعت نے بہت کچھ چھوٹ دے رکھی ہے تو ذبح اختیاری میں یہ حکم بدرجۂ اولیٰ نافذ ہوگا کہ وہاں گوشت کا مسلمان کی حفاظت میں رہنا، یا اس کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہونا ناگزیر امر نہیں بلکہ آسان ہے۔

اس لیے یہاں اگر وہ گوشت غیر مسلم کے ذریعہ نگاہوں سے اوجھل ہوگا تو ضرور اس کے ذبح شرعی میں وہم و شک کو راہ ملے گی اور اس بنا پر وہ حرام قرار پائے گا۔''

اس کے بعد آپ نے درج ذیل حلال ذرائع تحریر فرمائے:

(1) گوشت مسلمان اسے خود مذبح سے لائے، (2) کسی مسلمان کے ذریعہ منگوائے، (3) اپنے قابل اعتماد غیر مسلم ملازم سے منگوائے، (4) کسی بھی غیر مسلم سے مسلمان کی نگرانی میں منگوائے۔''

پھر فرماتے ہیں:''ان ذرائع کا فائدہ وہاں حاصل ہو سکتا ہے جہاں جانور شرعی طریقے پر ذبح کیا گیا ہو اور مشینی ذبیحہ تو غیر شرعی ذبیحہ ہے، اس لیے یہ گوشت مسلم لائے یا غیر مسلم بہر حال حرام ہی رہے گا۔''

اس کے بعد آپ نے تحریر فرمایا:''ایک ملک سے دوسرے ملک منتقل کرنے کے لیے شریعت طاہرہ نے جس شدت اہتمام کو لازم گردانا ہے، اس کا لحاظ پورے طور پر نہیں ہو پاتا اس لیے سپلائی ہونے والے گوشت میں حرمت کا پہلو ہی غالب ہے، جب کہ

اس کے حلال ہونے کے لیے قطعی طور پر شبہۂ حرمت سے پاک ہونا ضروری ہے۔''

اس کے بعد آپ نے جواز کی صورت تحریر فرمائی:

''مسلم یا سیکولر ملک سے مسلم حکمراں اپنے ملازمین کے ذریعے گوشت بھیجے کہ وہی جہاز تک لے جائیں اور لوڈ کریں، پھر مسلم ملک میں حکمراں ملازمین اسے وصول کر کے مسلم گوشت فروشوں کو سپلائی کریں تو گوشت حلال ہے، اگرچہ ملازمین میں مسلم، غیر مسلم سبھی ہوں کہ یہ ملازمین نقل و حمل کے سوا کوئی اور تصرف نہیں کرتے اور مسلم حکمراں اور ملازمین پر اس قدر اطمینان قلب ہے کہ وہ کوئی حرام گوشت شامل نہیں کریں گے ''مسلم حکمراں'' سے مراد ''سلطان اسلام'' یا ''وزیر اعظم'' نہیں ہے بلکہ وہ صاحب اختیار شخص ہے جس کے ماتحت براہ راست گوشت کا یہ کاروبار ہو۔ در مختار میں ہے:"و يقبل قول كافر قال: اشتريت اللحم من كتابي فيحل۔ أو قال: اشتريته من مجوسي۔ فيحرم اھ۔

رد المحتار میں "اشتريته من مجوسي" کے تحت ہے:

"ظاهره أن الحرمة تثبت بمجرد ذالك و إن لم يقل : ذبيحة مجوسي۔ و عبارة الجامع الصغير و إن كان غير ذالك لم يسعه أن يأكل منه. قال في الهداية معناه إذا قال : كان ذبيحة غير الكتابي والمسلم."اھ

(242/5 اوائل كتاب الحظر والاباحة)

اس کے بعد آپ نے جواز کی صورت اس جزئیہ سے واضح فرمائی:

''یہاں جامع صغیر اور ہدایہ کے جزئیہ پر بھی نظر رکھنی چاہیے کہ کافر جس گوشت کے بارے میں کہتا ہے کہ: وہ مجوسی کے یہاں سے لایا ہے'' وہ صرف اس کے یہ کہہ دینے سے حرام نہ ہوگا جب تک کہ وہ یہ بھی نہ کہے کہ ذبیحہ غیر مسلم و غیر کتابی کا ہے۔''

اور مسلم ممالک سے جو گوشت مسلم و غیر مسلم ملازمین کے ذریعہ بھیجے جاتے ہیں ان کے متعلق وہ کبھی نہیں کہتے کہ یہ غیر مسلم و غیر کتابی کا ذبیحہ ہے، بلکہ ان سے پوچھیے تو یہی بتائیں گے کہ مسلم کا ذبیحہ ہے جو مسلم قصاب سے خریدا گیا ہے۔

جو لوگ مسلم ممالک میں رہتے ہیں وہ یہ معلوم کر کے کہ گوشت مسلم یا سیکولر ملک سے مسلم فرماں روا کے زیر انتظام ملک سے درآمد کیا جاتا ہے اسے خرید سکتا ہے اور کھا سکتا ہے اور اس کے یہاں دوسرے لوگ بھی کھا سکتے ہیں۔ حجاج و معتمرین، سیاح اور تجار بھی ایسے گوشت کھا سکتے ہیں اور اس کے سوا دوسرے گوشت سے مکمل احتراز لازم ہے۔

● تنقیح طلب امور ●

مقالات کے خلاصہ سے مقالہ نگار علمائے کرام کی مختلف رائیں سامنے آئیں اس لیے درج ذیل امور خاص تنقیح کے طالب ہیں۔

(1) ایک ملک سے دوسرے ملک درآمد برآمد ہونے والا گوشت کیا حرمت کے شبہہ سے پاک ہے اور اس کا حلال وطیب ہونا یقینی ہے؟

(2) ایک ملک سے دوسرے ملک تک درآمد برآمد کرنے والا عملہ کیا خالص سنی صحیح العقیدہ مسلمان یا مسلمان کا معتمد کافر ملازم ہی رہتا ہے اور یہ امر دیانات ضمنیہ سے ہے اور تحری صدق یہاں مفید ہے؟

(3) اندرون ملک جو گوشت کافروں کی دُکان پر فروخت ہوتا ہے، اس کا ذبح کرنے والا مسلمان ہوتا ہے ذبح کرنے کے بعد مسلمان یا اس کے معتمد کافر و مشرک ملازم کی نظر سے عموماً اوجھل رہتا ہے، کیا ایسا گوشت حرمت کے شبہہ سے پاک اور یقیناً حلال ہے جب کہ فروخت کرنے والے کافر سے پوچھا جائے تو وہ یہی کہتا ہے کہ مسلم کا ذبیحہ ہے۔ بعض شہروں میں گوشت ذبح کرنے اور فروخت کرنے والے صرف بد مذہب ہی ہوتے ہیں، ایسے گوشت کا کیا حکم ہے؟

(3) درآمد برآمد گوشت میں کیا اس امر کا یقین واذعان ہوتا ہے کہ یہ مشینی ذبیحہ نہیں اور اس کو سنی صحیح العقیدہ مسلمان یا کتابی ہی نے شرعی طریقہ پر ذبح کیا ہے؟ کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ مسلم ملک سے مسلم ملک تک مسلم حکمراں کے ذریعہ ارسال کر دینا ہی حلال وطیب ہونے کے لیے کافی ہے؟

☆☆☆☆☆

خلاصۂ مقالات بہ عنوان

جدید مسعیٰ میں سعی کا حکم

مولانا پ نفیس احمد مصباحی

مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے ارباب حل وعقد نے سولہویں فقہی سمینار کے لیے جن سات موضوعات کا انتخاب کیا ان میں ایک اہم موضوع ہے: ’’جدید مسعیٰ میں سعی کا حکم‘‘۔ اس موضوع پر ملک کے مختلف خطوں سے اکیس مقالات مجلس کو موصول ہوئے، جن کے صفحات کی مجموعی تعداد اٹھانوے ہے، ان میں کچھ نہایت مختصر، کچھ متوسط اور کچھ بہت مفصل اور تحقیقی ہیں۔

دراصل واقعہ یہ ہے کہ حج وعمرہ کرنے والوں کی روز بروز بڑھتی ہوئی تعداد اور مسعیٰ (مقام سعی) کی تنگی کے پیش نظر موجودہ حکومت سعودیہ نے مسعیٰ میں پورب کی طرف (جدھر مولد النبی واقع ہے) قدیم مسعیٰ کے برابر ایک نیا مسعیٰ بنا دیا۔ دیکھنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ صفا و مروہ کی حدوں سے باہر ہے۔ حج میں صفا و مروہ کے درمیان سعی مذہب حنفی میں واجب اور مذہب شافعی و مالکی میں فرض (رکن) ہے، اور امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ اس لیے سالِ گزشتہ جب سے توسیع کا یہ عمل شروع ہوا، تبھی سے علمائے کرام، مفتیانِ عظام اور دیگر باشعور فرزندانِ اسلام کے لیے یہ خلجان کا باعث بنا ہوا ہے کہ حکومت سعودیہ کے ذریعہ تعمیر کیے گئے اس جدید مسعیٰ میں سعی جائز ہے یا نہیں؟ اور اس میں سعی کرنے سے مناسک حج وعمرہ کی کامل ادائیگی ہوتی ہے یا نہیں؟

اس موضوع کی گہرائی میں جائیے تو یہ اپنے دامن میں تین سوالات چھپائے ہوئے نظر آتا ہے:

(1) صفا و مروہ اور ان کے درمیان کا طول وعرض کتنا ہے؟

(2) جدید مسعیٰ صفا و مروہ کی درمیانی حدود میں ہے یا ان سے باہر؟ ——— اور بہر صورت اس میں سعی کرنے سے سعی مامور بہ سے سبک دوشی ہو جائے گی یا نہیں؟

(3) اگر نہیں تو موجودہ صورت حال میں اسلامی شریعت کی رو سے امت مسلمہ کے لیے راہِ عمل اور راہِ نجات کیا ہے؟

صفا و مروہ اور ان کے درمیان کا طول وعرض کیا ہے؟

مقالہ نگار علمائے کرام میں سے بارہ حضرات نے صفا و مروہ اور ان کے درمیان کی مسافت (لمبائی اور چوڑائی) بیان کی ہے۔

مولانا محمد ناصر حسین مصباحی نے اپنے مقالے میں اس موضوع پر بہت تفصیل سے گفتگو کی ہے، انھوں نے اصحابِ لغت اور مورخین کے بتیس نصوص پیش کیے ہیں، ان میں صفا و مروہ کے متعلق سات طرح کی تعبیرات ملتی ہیں، جن کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے:

(1) صفا و مروہ ’’جبل‘‘ (پہاڑ) ہیں۔ (سولہ حضرات کی صراحت)۔ (2) صفا و مروہ ’’جُبَیل‘‘ یا ’’جبل صغیر‘‘ (پہاڑی) ہیں (چار کتابوں کی صراحت)۔ (3) صفا و مروہ ’’حجر‘‘ (پتھر) ہیں (تین حضرات کا بیان)۔ (4) صفا و مروہ ’’حجر عظیم‘‘ (بڑا پتھر) یا ’’صفح‘‘ (کشادہ پتھر) ہیں (دو حضرات کا بیان)۔ (5) یہ ’’مکان مرتفع‘‘ (بلند جگہ) ہیں (تین اہلِ علم کا بیان)۔ (6) یہ ’’جبل ابو قبیس‘‘ اور ’’جبل قُعَیقِعان‘‘ کی ’’اَنف‘‘ ہیں (تین علما کی صراحت)۔ (7) یہ ’’أَکَمَة‘‘ ہیں (یاقوت حموی کا بیان بہ روایت سلیمان بن عبد اللہ مکی محدث)۔

(دیکھیے ان کا مقالہ ص: 11-10-9)

ظاہر ہے کہ یہ ساری تعبیریں مبہم ہیں جن سے کسی خاص لمبائی اور چوڑائی کا پتہ نہیں چلتا، اس لیے ان پر استدلال کی عمارت نہیں کھڑی کی جا سکتی، اور ان سے مسعیٰ کا طول وعرض ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا اس مقصد کے حصول کے لیے مستند اہل علم اور ارباب تاریخ کے حوالے سے اس کی صحیح پیمائش درکار ہے۔

رکن مجلس شرعی واستاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

اس نقطۂ نظر سے جب مقالات پر نظر ڈالی گئی تو یہ محسوس ہوا کہ بیش تر مقالہ نگاروں نے شیخ ابو الولید ازرقی (متوفی 223ھ، وقیل 250ھ) اور شیخ محمد بن اسحاق مکی فاکہی (متوفی 272ھ) کی وہ پیمائش نقل کی ہے جس کو علامہ قطب الدین محمد بن احمد نہروالی حنفی (متوفی 990ھ) نے کتاب ’’الإعلام بأعلام بيت الله الحرام‘‘ میں اور ان کے حوالے سے علامہ شامی نے ’’منحة الخالق حاشيه البحر الرائق‘‘ میں نقل کیا ہے۔ ان کے علاوہ کچھ اور علمائے کرام اور مورخین کی عبارتیں پیش کی گئی ہیں۔ کچھ عبارتیں درج ذیل ہیں۔

- ذرعُ ما بين العَلَمِ الذي على باب المسجد إلى العلم الذي بحذاءه على باب دار العباس بن عبد المطلب و بينهما عرض المسعى خمسة و ثلاثون ذراعًا و نصف.

(أخبار مكة للأزرقي، ج2، ص 119)

- و ذرع ما بين العلم الذي على باب المسجد إلى العلم الذي بحذاءه على باب العباس بن عبد المطلب رضي الله تعالى عنه و بينهما عرضُ المسعى خمسة و ثلاثون ذراعًا و اثنتا عشرة إصبعًا. (أخبار مكة للفاكهي، ج2، ص 243)

- إنّ عَرض المسعى كان خمسة و ثلاثين ذراعًا.

(الإعلام بأعلام بيت الله الحرام للعلامة قطب الدين محمد بن أحمد النهر والي الحنفي ص 107)

ان کے علاوہ بحر الرائق شرح كنز الدقائق (ج6، ص: 458)، حاشيه قليوبي و عميره (ج: 6، ص: 80)، حواشي الشرواني (ج: 4، ص: 98)، تحفة المنهاج فی الشرح المنهاج (ج: 15، ص: 172)، حاشية الجمل (ج: 4، ص: 741)، حاشية البجيرمي على الخطيب (ج: 9، ص: 208) میں مسعیٰ کی چوڑائی 35 ذراع بتائی گئی ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے مقالہ مولانا محمد ناصر حسین مصباحی، ص: 2-1 / مقالہ مولانا نصر اللہ رضوی، ص: 3-2 / مقالہ مولانا ابرار احمد اعظمی، ص: 3-2 وغیرہ)

جب کہ علامہ حربی نے مسعیٰ کی چوڑائی 32 ذراع اور علامہ باسلامہ نے 36½ ذراع لکھی ہے، ان کی عبارتیں درج ذیل ہیں۔

- و ذرعُ المسعىٰ من المسجد الحرام إلى دار العباس اثنان و ثلاثون ذراعاً. (المناسك و طُرُق الحج، ص: 465، و فی النسخة الأخرى، ص: 502)

- ذرعُ ما بين العَلَم الذي على باب المسجد إلى العلم الذي بحذائه على دار العباس بن عبد المطلب و بينهما عرضُ المسعى ستة و ثلاثون ذراعًا و نصف. (عمارة المسجد الحرام ص 299)

اور علامہ تقی الدین فاسی مالکی نے اپنی کتاب شفاء الغرام باخبار البلد الحرام میں علامہ ازرقی کے حوالے سے مسعیٰ کی چوڑائی 35½ ذراع نقل کرنے کے بعد اپنی پیمائش کے مطابق اس کی چوڑائی ذراع حدید سے 27¾ گز اور ذراع ید سے 31⅚ گز لکھی۔ ان کی عبارت درج ذیل ہے:

”وقد حررنا مقدار ما بين هذا الاعلام طولاً و عرضاً و ذلك أنّ مِنَ العَلَمِ الذي في حدّ باب المسجد الحرام المعروف بباب العباس عند المدرسة الأفضلية إلى العَلَم الذي يُقابِلُه في الدار المعروفة بدار العباس ثمانيةً و عشرين ذراعاً إلّا ربعَ ذراعٍ بذراع الحديد، يكون ذلك بذراع اليد إحدى و ثلاثين ذراعاً و خمسة أسباعِ ذراعٍ۔ و ذلك ينقص عما ذكره الأزرقي في مقدار هذين العَلَمَين و من العَلَم الذي في المنارة المعروفة بمنارة ”على“ إلى الميل المقابل له في الدار المعروفة بدار سلمة أربعةٌ و ثلاثون ذراعا و نصفُ ذراع و قيراطان بذراع الحديد، يكون ذلك بذراع اليد سبعةً و ثلاثين ذراعاً و نصف ذراع و سُدُسَ سُبُعِ ذراع. “

(شفاء الغرام، ص: 325، مقاله مولانا ابرار احمد اعظمی، ص: 3)

اس موقع پر مولانا نصر اللہ رضوی اور مولانا ناصر حسین مصباحی نے جدید نظام پیمائش کے اعتبار سے بھی اس کا جائزہ لیا ہے۔ مولانا نصر اللہ رضوی صاحب لکھتے ہیں:

ذراع دو قسم کا ہے، ذراع کرباس اور ذراع ہاشمی۔ اور ذراع کرباس 18 انچ = 46.2 سینٹی میٹر بتایا گیا ہے، جب کہ ذراع ہاشمی 61.6 سینٹی میٹر کا...... اس حساب سے عرضِ مسعیٰ 46.2x35.5=16.40 یعنی تقریباً ساڑھے سولہ میٹر ہوا۔ البتہ ذراع ہاشمی سے 61.6x35.5=21.86 یعنی تقریباً بائیس میٹر چوڑا ہے۔ اور سعودی تعمیر میں قدیم مسعیٰ تقریباً 20 میٹر ہے۔''

(مقالہ مولانا نصر اللہ رضوی صاحب، ص:3)

مولانا ناصر حسین مصباحی صاحب نے معجم لغة الفقهاء اور المعجم الوسيط کے حوالے سے جدید نظامِ پیمائش کے اعتبار سے مسعیٰ کی چوڑائی بڑی تفصیل کے ساتھ پیش کی ہے اور آخر میں لکھا ہے:

''ایک ذراع کی لمبائی 46.2 سینٹی میٹر ہوئی، اس کو مسعیٰ کے عرض یعنی 35½ میں ضرب دینے سے 1640 سینٹی میٹر ہوتا ہے، یعنی موجودہ رائج نظام میٹر کے حساب سے مسعیٰ کا عرض تقریباً ساڑھے سولہ (16½) میٹر ہوگا۔ اور اگر ذراع سے مراد ذراع ہاشمی ہو تو مسعیٰ کا عرض معجم لغة الفقها کے اعتبار سے 2179.7cm یعنی تقریباً 22 میٹر ہوتا ہے۔ اور المعجم الوسيط کے اعتبار سے 2272cm یعنی ساڑھے بائیس میٹر ہوتا ہے۔ بہر صورت مؤرخین اور فقہا کی عبارات واقوال کے پیشِ نظر مسعیٰ کا عرض ساڑھے سولہ میٹر سے ساڑھے بائیس یا تئیس میٹر تک ہوسکتا ہے، اس سے زیادہ نہیں ہوسکتا۔'' (مقالہ مولانا ناصر حسین مصباحی، ص:4)

مختلف مورخین اور علما کی پیمائشوں میں اختلاف کی وجہ

کچھ مقالہ نگاروں نے مختلف علما و مورخین کی پیمائشوں میں اختلاف ذکر کرنے کے بعد ان کے درمیان تطبیق کی صورتیں بھی ذکر کی ہیں۔ اس سلسلے میں مولانا نصر اللہ رضوی، مولانا ابرار احمد اعظمی، مولانا ناصر حسین مصباحی اور مفتی محمد نظام الدین رضوی صاحبان کے مقالوں کو دیکھا جا سکتا ہے۔ مولانا محمد ناصر حسین مصباحی صاحب نے مورخین وعلما کے اقوال میں اختلاف کے لیے چار توجیہات پیش کی ہیں، لیکن میں اختصار کے پیشِ نظر یہاں صرف حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی مدظلہ کی توجیہ پیش کرتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں:

''ان اقوال میں تطبیق یہ ہے کہ لوگوں کے مکانات کچھ مسعیٰ کے عرض کے حدود میں بھی آ گئے اس لیے اس کا عرض سمٹ کر کم ہوگیا، پھر جب وہ گھر کچھ ہٹے تو کشادگی آئی اور جب زیادہ ہٹے تو زیادہ کشادگی آ گئی۔ چوں کہ مسعیٰ کے کناروں پر کوئی روک نہیں لگائی گئی تھی، اس لیے بھول چوک کا امکان ضرور تھا۔''

(مقالہ مفتی محمد نظام الدین رضوی صاحب، ص:8)

جدید مسعیٰ صفا و مروہ کی درمیانی حدود میں ہے یا باہر؟ اور اس میں سعی کا حکم کیا ہے؟

اس بات پر تمام مقالہ نگار حضرات کا اتفاق ہے کہ سعی صفا و مروہ کے درمیان ہی واجب ہے، لیکن ان کے درمیان اختلاف اس سلسلے میں پایا جاتا ہے کہ جدید مسعیٰ، صفا و مروہ کی درمیانی حدود میں ہے یا باہر۔ مقالات کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ مقالہ نگار حضرات اس تعلق سے چار خانوں میں بٹے ہوئے ہیں:

(1) یہ مسعیٰ صفا و مروہ کی درمیانی حدود ہی میں معلوم ہوتا ہے۔ (2) یہ صفا و مروہ کی درمیانی حدود سے خارج اور علاحدہ ہے (3) اگر یہ صفا و مروہ کی حدود میں ہو تو اس میں سعی جائز ہے و ورنہ ناجائز۔ (4) اگر جدید مسعیٰ، قدیم مسعیٰ سے مماس اور متصل ہو تو اس میں سعی ہوسکتی ہے، اگرچہ یہ خلافِ سنت ہوگی۔

پہلی رائے:- جدید مسعیٰ صفا و مروہ کی درمیانی حدود میں ہی معلوم ہوتا ہے۔ یہ رائے آٹھ علمائے کرام کی ہے۔

مولانا محمد معین الدین مصباحی لکھتے ہیں:

''مندرجہ بالا اقتباس سے جزم تو نہیں، لیکن اس بات کا ظن ضرور حاصل ہوتا ہے کہ صفا و مروہ کی پہاڑی بہت کشادہ اور وسیع و عریض تھی کہ صفا و مروہ کی بہت سی سیڑھیاں بھر گئیں اور مروہ کے اوپر اہل مکہ کے مکانات

آباد تھے اور جب یہ اتنی وسیع و عریض تھیں تو جدید مسعیٰ کے حدودِ صفا و مروہ میں ہونے کا ظن غالب ہے اور ظن سے بہت سے احکام ثابت ہوتے ہیں، کما لا يخفى، اس لیے جدید مسعیٰ میں سعی، سعی بین الصفا والمروہ ہی ہوگی۔''

مفتی آل مصطفیٰ مصباحی لکھتے ہیں:

''اگر (جدید مسعیٰ کی توسیع) حدودِ صفا و مروہ کے اندر ہوئی ہے تو (اس پر سعی، وجوبِ سعی کی ادائگی کے لیے) کافی ہوگی۔ قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ توسیع صفا و مروہ کے اندر ہوئی ہے۔''

مولانا محمد مسیح احمد قادری مصباحی لکھتے ہیں:

''صفا و مروہ کافی وسیع و عریض پہاڑ تھے، کیوں کہ فی زمانہ جبل ابوقبیس اور صفا کے درمیان کافی فاصلہ ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حکومت سعودیہ نے دیگر آثار و شعائر کی طرح ان دونوں پہاڑوں کو بھی کافی کم کر دیا ہے، لہذا مسعیٰ کی موجودہ توسیع کے بعد اس میں سعی جائز و درست ہے۔''

مفتی محمد حبیب اللہ خاں مصباحی تحریر فرماتے ہیں:

''اور قیاس بھی یہ چاہتا ہے کہ جدید مسعیٰ میں سعی جائز ہو، اس لیے کہ صفا و مروہ دونوں کے بارے میں علما نے تحریر فرمایا ہے کہ یہ دونوں مکہ کے پہاڑ ہیں اور ظاہر ہے کہ پہاڑ کا اطلاق کسی چھوٹے ٹیلہ پر نہیں ہوتا ہے، جس کی لمبائی چوڑائی، اونچائی مختصر ہو، بلکہ اس پر ہوتا ہے جو لمبا، چوڑا، اونچا ہو اور اس کی جڑ وسیع و عریض و عمیق ہو۔ حکومت سعودیہ کی توڑ پھوڑ اور خرد برد کی وجہ سے اب اگرچہ بہ ظاہر ایسا لگتا ہے کہ مختصر سا ہے، لیکن اگر اس کی جڑ کھود کر دیکھی جائے تو اتنا نہ ہوگا جو بظاہر نظر آتا ہے، بلکہ اس سے کہیں زیادہ کشادہ ہوگا۔ مرورِ زمانہ کی وجہ سے صفا و مروہ کا کچھ حصہ زمین میں چھپ گیا ہے اور اوپر کا حصہ توڑ دیا گیا ہے، صرف نشانی کے لیے تھوڑا سا باقی رکھا ہے، لیکن نیچے کا حصہ ابھی جوں کا توں ہے، اس میں کوئی بجا و بے جا تصرف نہیں کیا گیا ہے، اس لیے جدید مسعیٰ میں جو ابھی فی الحال اضافہ کیا گیا ہے صفا و مروہ کے مابین ہونے کی وجہ سے سعی جائز ہونا چاہیے۔''

(مقالہ مفتی حبیب اللہ صاحب، ص:2)

اسی سے ملتی جلتی بات مولانا انور نظامی نے بھی لکھی ہے۔

مفتی ابرار احمد امجدی، رحلة ابن بطوطه، رد المحتار اور تهذيب الاسماء واللغات کی عبارتیں پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''اس تفصیل سے یہ واضح اشارہ ملتا ہے کہ حضرت امام نووی کے عہد میں صفا و مروہ کی وسعت 125 فُٹ سے زیادہ تھی اور موجودہ مسعیٰ کی وسعت تقریباً 20 میٹر یعنی 62 فُٹ ہے، اور جدید مسعیٰ بھی تقریباً اتنا ہی ہے، اس لیے وہ بھی صفا و مروہ کی محاذات میں ہے اور جدید مسعیٰ میں سعی ''سعی بین الصفا والمروہ'' ہی ہے...... اس لیے یہ جائز و درست ہے۔'' (ملخصاً ص:4-3)

مولانا رضاء الحق مصباحی مختلف کتابوں سے صفا و مروہ کی لمبائی، چوڑائی، اونچائی نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''اس سے اس بات کا ظن غالب حاصل ہوتا ہے کہ جانب مشرق توسیع شدہ نیا میدانِ سعی، حدودِ صفا و مروہ کے اندر ہے، لہذا اس میں سعی جائز ہے۔'' (ص:4)

دوسری رائے:- یہ ہے کہ اگر یہ مسعیٰ صفا و مروہ کی حدود میں ہو تو اس میں سعی جائز ہے ورنہ ناجائز۔ یہ رائے تین حضرات کی ہے۔ قاضی فضل احمد مصباحی لکھتے ہیں:

''سوال نامے میں جس توسیع کا ذکر ہے وہ مسعیٰ میں جانب مشرق ہے، اس سے ظاہر یہی ہے کہ یہ توسیع جانب عرض میں ہوئی ہے، لہذا اگر یہ توسیع 35 گز کے اندر ہے تو سعی جائز و درست ہے اور اگر 35 گز سے زائد ہے تو زائد حصے میں سعی کرنے کی صورت میں واجب ذمے سے ساقط نہ ہوگا۔'' (مقالہ، ص:2)

تیسری رائے:- یہ ہے کہ اگر جدید مسعیٰ حدودِ صفا و مروہ سے باہر ہونے کے باوجود اس سے مماس، متصل اور ملصق ہو تو اس میں سعی واجب کی ادائگی ہو جائے گی، مگر یہ ادائگی خلافِ سنت اور مکروہ ہوگی۔ یہ رائے مولانا محمد عالم گیر مصباحی (جودھ پور) کی ہے۔ بالکل اسی سے ملتی جلتی بات مفتی عبد السلام رضوی نے بھی کہی ہے۔

چوتھی رائے: - یہ ہے کہ جدید مسعیٰ صفا و مروہ کی درمیانی حدود سے بالکل خارج اور علاحدہ ہے، اس لیے اس میں ''سعی بین الصفا والمروہ'' نہیں ہے، اور وہ جائز نہیں۔ یہ رائے سات علماے کرام کی ہے۔

مولانا نصر اللہ رضوی صاحب رقم طراز ہیں:

''ان ساری تفصیلات سے ظاہر یہ ہوا کہ مسعیٰ کی چوڑائی میں اضافے کی جتنی گنجائش تھی، اس سے کچھ بڑھ کر مسعیٰ کی چوڑائی میں اضافہ کیا جا چکا ہے۔ اب مزید گنجائش باقی نہیں رہی۔ تو اب مولد النبی شریف کی سمت میں اضافہ کرتے ہوئے مزید 20 رمیٹر چوڑے مسعیٰ کی تعمیر حدودِ صفا اور حدودِ مروہ سے باہر ہے۔ نقشے بھی دیکھے گئے، ان سے بھی یہی پتہ چلتا ہے اور یہ احتمال کہ ان دونوں پر پہاڑ کا اطلاق ہوتا ہے تو ان کی جڑیں بھی کافی وسیع ہوں گی۔ یہ صرف احتمال ہے، جس کو مدار بنا کر کوئی قطعی حکم نہیں لگایا جا سکتا۔''

(مقالہ مولانا نصر اللہ صاحب، ص:5)

مولانا محمد عارف اللہ مصباحی صاحب لکھتے ہیں:

''اس مقالے کی تیاری کے دوران سعودی عرب کے ایک عالم شیخ علوی بن عبد القادر سقاف کا ایک مضمون "حکم السعی فی المسعی الجدید" دیکھنے کو ملا جس سے معلوم ہوا کہ سعودی عرب کے سب سے بڑے سرکاری مذہبی ادارے "مجلس کبار علماء" اور دوسرے بڑے علما مثلاً شیخ صالح اللحیدان، شیخ عبد الرحمٰن البراک، شیخ صالح الفوزان اور شیخ عبد المحسن العباد وغیرہم بھی جدید مسعیٰ کو عرض میں صفا و مروہ کی حدود سے نہ صرف خارج مانتے ہیں بلکہ ان لوگوں نے شرعی، تاریخی اور لغوی اَدِلّہ سے مُؤیَّد اپنے فتاویٰ، بیانات اور بحثوں کے ذریعہ ثابت کیا کہ جدید مسعیٰ صفا و مروہ کی حد سے باہر ہے، اور اس میں جوازِ سعی کے قائل علما کے شبہات کا انھوں نے رد بھی کیا۔''

(مقالہ مولانا عارف اللہ صاحب، ص:3)

مولانا محمد ناصر حسین مصباحی نے اپنے مقالے کی ''پانچویں بحث: مسعیٰ عہد نبوی سے 1429ھ تک'' میں مختلف علما و مورخین کے حوالوں سے 1429ھ تک مسعیٰ کی مختلف توسیعات کو بیان کیا ہے۔ بحث کے آخر میں لکھتے ہیں:

''تاریخ سے ثابت ہو گیا کہ مسعیٰ میں جو بھی توسیع ہوئی ہے، وہ مسعیٰ کی حد کے اندر ہی ہوئی ہے، ایسا نہیں ہے کہ غیر مسعیٰ کو مسعیٰ میں داخل کر دیا گیا ہو۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ مسعیٰ میں گھر اور دکانوں کے سبب تنگی ہو گئی تھی، لہذا مختلف زمانوں میں اس کی توسیع ہوتی رہی، یہاں تک کہ مسعیٰ کو اس کے اصل عرض تک وسیع کر دیا گیا۔ لہذا اب اس میں کسی طرح کی توسیع کی گنجائش نہیں ہے۔ اور جب کسی بھی توسیع کی گنجائش باقی نہ رہی، تو حالیہ توسیع جو حکومت سعودیہ نے 1429ھ میں کی، جس کی وجہ سے اصل مسعیٰ جس کا عرض بیس میٹر تھا اور توسیع کے بعد چالیس میٹر ہو گیا ہے، یہ توسیع جائز نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس میں سعی کرنا درست ہے۔''

اس کے بعد مزید لکھتے ہیں:

''مسعیٰ شعائر اسلام میں سے ہے، اور تمام شعائر توقیفی ہیں، ان میں تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں۔ نیز مسعیٰ پوری امت مسلمہ میں ہر دور میں مشہور و معروف رہا ہے، اور اسی اصل مسعیٰ میں سعی ضروری ہے، مسعیٰ میں اس طرح توسیع کرنا کہ غیر مسعیٰ کو مسعیٰ بنا دیا جائے جائز نہیں ہے۔

اس پر متعدد جزئیات شاہد ہیں:

(1) علامہ باجی نے منتقی شرح موطا میں فرمایا:

"والسعيُ بين العَلَمين هو الذي يقتضيه الحديثُ المذكور، وقد أعلَمَتِ الخَلَفُ ذينك الموضعين حتى صار إجماعًا." (ج:2 ص:305)

(2) ملا علی قاری نے مرقاۃ المفاتیح میں فرمایا:

"والمسعى هو المكان المعروف اليوم، لإجماع السلَف والخَلَف عليه كابراً عن كابر."

(ج:5، ص:475)

(3) ابو علی جوینی نے فرمایا: "و مكان السعي معروف لا يتعدى. (نهاية المطلب، 304/4)

(4) علامہ فاسی نے فرمایا: ''و ما عن أحد منهم (أي أهل العلم) إنكارٌ لذلك (أي السعي في محل السعي المعروف) ولا أنه سعى في غير المسعى اليوم. .. فيكون إجراءُ السعي بمحل السعي مُجمعًا عليه عند من وقع التغيير في زمنهم و عند من بعدهم، والله تعالى أعلم." (شفاء الغرام 521/1)

(5) محمد طاہر کردی نے کہا: "و موضع السعي هو هو، لم يتغير ولم يتبدّل ولم ينقص ولم يزد."

(التاريخ القويم 363/5)

(6) علامہ قطب الدین حنفی تحریر فرماتے ہیں:

"السعيُ بين الصفا والمروة من الأمور التعبدية التي أوجبها اللّٰهُ تعالى علينا، ولا يجوز العدولُ عنه، ولا تُؤدّى هذه العبادةُ إلّا في ذلك المكان المخصوص الذي سعى رسولُ الله صلى الله تعالى عليه وسلم فيه."

(الاعلام ص103/ تحصيل المرام 342/1)

(7) بحر الرائق میں ہے: ''أنّ السعي بين الصفا والمروة من الأمور التعبدّية في ذلك المكان المعروف." (البحر الرائق، ج:6، ص:458)

(8) نہایۃ المحتاج میں ہے: ''وهو المسعى المعروف الآن .... فقد أجمع العلماء وغيرهم من زمن الأزرقي إلى الآن على ذلك."

(نهاية المحتاج 391/3)

(دیکھیے مقالہ مولانا محمد ناصر حسین، ص:18-17)

اس مقام پر مولانا ابرار احمد اعظمی صاحب نے ''جدید مسعیٰ میں غور و خوض کا ایک اور پہلو'' کے عنوان سے ایک اہم بات پیش کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ صفا سے مروہ تک مسعیٰ دو حصوں میں منقسم ہے: (1) موضع المشی (2) موضع الهَرْوَلَہ۔ کوہ صفا سے میل اول تک "موضع المشی" ہے، میل اول سے میل ثانی تک بطن وادی "موضع الهروله" ہے پھر میل ثانی سے مروہ تک "موضع المشی" ہے۔ موضع الهروله کا طول مسافت علامہ ازرقی اور علامہ فاسی کے بیان کے مطابق 121 گز ہے اور فقہا و مورخین کی صراحت کے مطابق بطن وادی اور موضع الهروله کا عرض 35 گز ہے۔ اب اگر بالفرض کوہ صفا و مروہ کی قدیم وسعت کا تخمینہ لگاتے ہوئے جدید مسعیٰ کا مابین الصفا والمروہ ہونا ثابت ہو جائے پھر بھی مسعیٰ کے جزو اہم بطن الوادی اور موضع الهروله کو جدید مسعیٰ کی طرف منتقل کرنا غیر متصور و ناممکن ہے۔ لامحالہ جدید مسعیٰ قدیم مسعیٰ کے اہم جز بطن الوادی سے خالی ہوگا لہذا جدید مسعیٰ میں سعی مامور بہ کی ادائیگی کی بالکل گنجائش نہیں ہے۔ اسی لیے جب علامہ برجَندی نے بطن وادی سے انحراف کی صورت میں بزعم خود سعی مشروع کا تصور پیش کیا اور کہا کہ مابین الصفا والمروہ کہیں بھی سعی کی جا سکتی ہے تو اس پر حضرت ملا علی قاری نے تعاقب کرتے ہوئے اپنی کتاب "المسلك المتقسط" میں ص:87 پر فرمایا کہ یہ علامہ برجندی کا عجیب قول ہے۔ (دیکھیے مقالہ مذکور، ص:8-6)

ناظم مجلس شرعی حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی صاحب نے اس سلسلے میں بہت محققانہ گفتگو فرمائی ہے۔ وہ رقم طراز ہیں:

منحة الخالق حاشیہ بحر الرائق میں ہے:

"(مهمة) ذكر الشيخ عبد الرحمٰن المرشدي في شرحه على الكنز أنّ مسافة ما بين الصفا والمروة سبع مأئة وخمسون ذراعاً فعليه فعدة السعى خمسة آلاف و مائتان و خمسون ذراعاً اه و فى الشمني سبع مائة و ستة ستّون ذراعاً و اما عرض المسعى فحكى العلامة الشيخ قطب الدين الحنفى فى تاريخه نقلا عن تاريخ الفاكهى أنه خمسة و ثلاثون ذراعاً، ثم قال: وههنا إشكال عظيم ما رأيت أحدا تَعَرَّضَ له و هو أنَّ السعيَ بين الصفا والمروة من الأمور التعبدية فى ذالك المكان المخصوص، و على ما ذكر الثقات أدُخِلَ ذالك المسعى فى الحرم الشريف و حُوِّلَ ذلك المسعى الى دار ابن عباد كما تقدم والمكان الذى يُسْعىٰ فيه الأن لا يتحقق انه من عرض المسعى الذى سعى فيه رسولُ الله صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم او غيره

فکیف یصح السعی فیه و قد حُوِّلَ عن محله؟ و لعل الجواب أنَّ المسعیٰ کان عریضا و بُنِیَتْ تلك الدُّوْرُ بعد ذالك فی عرض المسعیٰ القدیم فهدمها المهديُّ و أدخل بعضها فی المسجد الحرام و ترك البعض و لم یُحَوِّلَ تحویلا کلیا و إلا لأنکره علماء الدین من الأئمة المجتهدین اه ملخصاً من المدنی." (منحة الخالق علی البحر الرائق، ص:334، ج:2، باب الاحرام من کتاب الحج)

اس عبارت سے کئی ایک اہم فائدے حاصل ہوئے: (الف) مسعیٰ کا عرض 35 ذراع ہے۔ (ب) اس مکان مخصوص میں سعی امور تعبدیہ میں سے ہے۔ اس مکانِ مخصوص میں لفظ ''اُس'' کا اشارہ ''عرض مسعیٰ'' کی طرف ہے اور ''مکان مخصوص'' سے مراد وہی مکان معروف ہے، اور ''امور تعبدیہ'' کے لفظ سے عیاں ہے کہ اُس مکان مخصوص میں سعی کا عبادت ہونا شارع علیہ السلام کے فرمان و عمل سے ثابت ہوا، اس میں عقل کو کچھ بھی پر مارنے کی گنجائش نہیں ہے۔ (ج) خلیفہ مہدی کے زمانے میں مسعیٰ کی توسیع ہوئی مگر اس میں تحویل کلی نہ ہوئی کہ سعی کے مکان معروف سے ہٹ کر کسی نئی جگہ کو مسعیٰ بنا دیا گیا ہو، بلکہ یہ صرف تحویل جزئی ہوئی کہ قدیم مسعیٰ کے حدود سے لوگوں کے مکانات ہٹا کر وہاں تک مسعیٰ کو بڑھا دیا گیا۔ (د) اگر یہ توسیع خارج مقام پر ہوئی ہوتی تو اس وقت کے علمائے دین و ائمۂ مجتہدین نے اس پر انکار فرمایا ہوتا کہ اس وقت علما بلا خوف نہی عن المنکر فرماتے تھے۔ (ہ) شیخ مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ بات جزم کے ساتھ نہیں فرمائی، بلکہ فرمایا کہ ''شاید قدیم مسعیٰ توسیع کی حد تک کشادہ تھا جو لوگوں کے مکانات کی وجہ سے سمٹ گیا تھا'' مگر حق یہ ہے کہ یہ بات شک و شبہہ سے بالاتر ہے۔ مہدی کے زمانے میں وہ توسیع قدیم مسعیٰ کے حدود میں ہوئی تھی، جو مسعی الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ توسیع دار ابن عباد تک ہوئی اور وہ خیر القرون میں مسعیٰ کی آخری حد تھا، جیسا کہ بخاری شریف میں ہے:

وقال ابن عمر: السعي من دار بني عبّاد إلی زقاق بني أبي حسین. اه (صحیح البخاری، ص:223، ج:1، باب ما جاء فی السعی بین الصفا والمروة)

قَسْطَلّانی میں ہے: قال سفیان فیما رواه الفاکهی: هو بین العلمین۔ اه (حاشیة صحیح البخاری، ص:223، ج:1) ٹھیک یہی تحدید علامہ تقی الدین فاسی مکی مالکی نے بھی کی ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے شفاء الغرام باخبار البلد الحرام للفاسی، ج:1، ص:25-324۔ اس کی کچھ عبارت اسی تلخیص کے ص:3 پر گزر چکی ہے) علامہ ابو الولید احمد بن محمد الازرقی (متوفی 222ھ/737ء) اپنی مشہور زمانہ کتاب "اخبار مکة المشرفة" میں رقم طراز ہیں: ذرع ما بین الصفا والمروه الخ. (یہ عبارت اسی تلخیص کے ص:2 پر گزر چکی ہے۔)

ان تاریخی حقائق سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ مسعیٰ کی توسیع پہلے بھی ہوئی ہے، مگر ساتھ ہی یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ وہ توسیع مسعی الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حدود میں تھی، اس سے کبھی انحراف نہ ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ جو علما بلا تامل امر بالمعروف و نہی عن المنکر فرماتے تھے خاموش رہے۔

ہاں مسعیٰ کے عرض میں کمی بیشی ہوتی رہی ہے، مگر خیر القرون کے حدود سے کبھی تجاوز نہ ہوا۔ اس لیے ہر عہد اور ہر قرن میں مسعیٰ مکان معروف و مخصوص ہی رہا جس میں سلفاً خلفاً برابر سعی ہوتی رہی، اس لیے اسی مسعیٰ میں سعی واجب ہے جو مسعی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور آج کے جدید مسعیٰ میں سعی ناجائز و عبث کام ہے کہ یہ خالص "مسعی الوهابیة النجدیة" ہے۔

.... جب اس بات پر سلف و خلف کا اجماع ہے کہ مسعیٰ مکان معروف و مخصوص ہے اور اس سے انحراف جائز نہیں ورنہ خرقِ اجماع لازم آئے گا تو اس سے لازمی طور پر دو امور میں سے ایک ضرور ثابت ہو جاتا ہے۔ یا تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ جبل صفا و مروہ کے عرض کی وسعت وہی ہے جو مکان معروف کی ہے، یا یہ اجماع "بَیِّنٰتٌ" کے عموم کا مُخَصِّص ہے، تو اس طور پر بھی سعی صرف قدیم مسعیٰ میں ہی جائز ہے۔ بلکہ حق یہ ہے کہ جبل صفا و مروہ کے عرض کی وسعت مسعیٰ کے عرض سے زیادہ نہیں ہے، جیسا کہ امام ابو زکریا محی الدین نووی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے درج ذیل انکشاف سے عیاں ہے، آپ رقم طراز ہیں:

الصفا: هو مبدأ السعي، و هو مکان مرتفع عند باب المسجد الحرام و هو أنف من جبل أبی قبیس، و هو الآن إحدی عشرة درجة فوقها أزَجٌ کإیوان، و عرض فُتْحَة هذا الأزج نحو خمسین قدما. و أما المروة فلاطئة جدا، و هی من أنف جبل قُعَیقِعان، و هی درجتان و علیها أزج نحو أربعین قدماً. اه

(تهذیب الاسماء واللغات، ص:181، ج:1)

قدم کا معنی ہے فُٹ، اور فُٹ کا معنی ہے قدم۔ تو صفا پر بنے دالان کی وسعت عرض میں پچاس فٹ ہوئی اور صفا پر چڑھنے کے لیے جو زینے بنائے گئے تھے وہ ظاہر یہ ہے کہ مغرب اور شمال کی سمت میں تھے کہ انھیں اطراف میں چڑھنے اور اترنے کی حاجت تھی۔ رہے سمت مشرق و جنوب تو ادھر چڑھنے اترنے کی حاجت نہ تھی، اس لیے گمانِ غالب یہ ہے کہ سمت مشرق میں زینے نہ ہوں گے۔ تاہم زمین سے چوٹی کا فاصلہ وہی دس گیارہ زینے کے قریب ہوگا، پہاڑ کا زینہ کچھ کم و بیش ایک فُٹ کا ہوتا ہے اس لیے اس حساب سے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں صفا کی زمینی وسعت کچھ کم و بیش اکسٹھ (61) فٹ ہوئی جو قدیم مسعیٰ (قبل 16 رمضان 1429ھ/2008ء) کی وسعت کے قریب ہے، کیوں کہ یہ مسعیٰ 20 میٹر کا ہے اور ایک میٹر برابر تین فٹ تین انچ لگ بھگ۔ تو اس کے اکسٹھ فٹ، بیس انچ ہوئے۔ رہ گیا مروہ تو ہمارے مشاہدے میں اس کی وسعت آج بھی صفا جیسی ہے اور کوئی بھی شخص دونوں پہاڑوں کا سرسری جائزہ لے کر یہ محسوس کر سکتا ہے، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے چالیس فٹ کے قریب مروہ پر بنے دالان کی وسعت بتائی ہے، مروہ کی نہیں اور یہ ہو بھی نہیں سکتا کہ ظاہر کے خلاف ہے۔

صفا پر بنے دالان کے تعلق سے اس طرح کا فرق نہیں کیا جا سکتا کہ آج بھی صفا کی وسعت کچھ کم و بیش اتنی ہی ہے جو تهذیب الاسماء میں اس پر بنے دالان کی بتائی گئی ہے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ ہمارا یہ قدیم مسعیٰ جس کی وسعت عرض میں 20 میٹر ہے اور جس کا ''شرعی مسعیٰ'' ہونا اجماعی ہے وہ صفا و مروہ کی وسعت کے مطابق ہے۔ بہ لفظ دیگر صفا و مروہ کی وسعت عرض میں ''شرعی مسعیٰ'' کی وسعت سے زیادہ نہیں، اس لیے جدید مسعیٰ بین الصفا والمروہ نہیں ہے اور نہ اس میں سعی جائز ہے۔''

(مقالہ مفتی محمد نظام الدین رضوی صاحب، ص:8 تا ص:11 ملخصا)

اگر جدید مسعیٰ میں سعی کرنے سے سعی مامور بہ سے سبک دوشی نہیں ہوتی تو موجودہ حالات میں اسلامی شریعت کی رو سے امت مسلمہ کے لیے راہِ عمل کیا ہے؟

اس سوال کا تعلق ان حضرات سے ہے جو جدید مسعیٰ کو صفا و مروہ کی درمیانی حدود سے خارج قرار دیتے ہیں اور اس میں سعی کو ناجائز یا خلافِ سنت کہتے ہیں۔ اس حیثیت سے متعلقہ مقالات کا جائزہ لینے کے بعد یہ بات سامنے آئی کہ بعض مقالہ نگاروں نے اس گوشے کی جانب کوئی توجہ نہیں دی، جن حضرات نے اس گوشے کی طرف توجہ فرمائی ہے وہ چار طرح کے نظریات رکھتے ہیں۔

پہلا نظریہ:۔ بہ وجہ مجبوری جدید مسعیٰ میں سعی ہو جائے گی اور اس پر کچھ لازم نہیں۔ اس نظریہ کے حامل دو علمائے کرام ہیں۔

مفتی عبد السلام صاحب فرماتے ہیں:

''بوجہ مجبوری (جدید مسعیٰ میں سعی) کرنے کی وجہ سے نہ دم واجب ہوگا، نہ صدقہ، البتہ افضل ہے کہ صدقہ کر دے۔''

مولانا محمد سلیمان مصباحی صاحب لکھتے ہیں:

''سعودی حکومت کی پابندیوں کی وجہ سے حجاج و معتمرین پر کوئی کفارہ نہیں، پھر بھی اگر کوئی صاحب اطمینان قلب کے لیے دم دے دیں تو یہ احوط ہے۔'' (مقالہ مولانا محمد سلیمان، ص:1)

دوسرا نظریہ:۔ یہ ہے کہ اس صورت میں دم دینا واجب ہے۔ یہ نظریہ بھی دو علمائے کرام کا ہے۔

مولانا ناصر حسین مصباحی صاحب نے تبیین الحقائق (ج:4، ص:315) عنایه شرح هدایه (ج:4، ص:125) مبسوطِ سَرَخْسِی (ج:4، ص:64) جوهره نیره (ج:2، ص:157) بحر العلوم (ج:1، ص:134) اللباب فی شرح

الکتاب (ج:1،ص:92) مجمع الانہر (ج:1،ص:434) کی ان عبارتوں سے استدلال کیا ہے جن میں ترک واجب پر لزومِ دم کی صراحت ہے۔ (دیکھیے ان کے مقالے کا ص:24)

تیسرا نظریہ:- یہ ہے کہ جدید مسعیٰ میں سعی کی اجازت نہیں، اور اگر کسی عذر کی وجہ سے قدیم مسعیٰ میں سعی ترک ہو جائے تو حج ہو جائے گا، اس پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ یہ نظریہ مولانا محمد رفیق مصباحی کا ہے۔

چوتھا نظریہ:- حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی (ناظم مجلس شرعی) کا ہے۔ آپ نے ''رخصت کی تلاش'' کے عنوان کے تحت موجودہ حالات میں امت مسلمہ کے لیے آسانی کی راہیں تلاش کرنے کی شرعی حاجت ثابت کی ہے اور پھر ''جواز کے راستے'' کے عنوان کے تحت امت کے لیے تین راہیں بتائی ہیں۔ اصل کے اعتبار سے جدید میں مسعیٰ میں سعی کو نا جائز اور مامور بہ کی ادائگی سے سبک دوشی کے لیے ناکافی قرار دینے اور حج نفل کے لیے سفر نہ کرنے کی تلقین کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''یہ سارے احکام اپنی جگہ حق اور واجب العمل ہیں، مگر کیا نجدی حکومت اور شائقین حج وعمرہ اس پر عمل درکنار، سنجیدگی سے غور بھی کر سکتے ہیں، اس کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ جہاں تک نجدی حکومت کا سوال ہے تو وہ بہت ضدی حکومت ہے، وہ شریعت کے احکام کے خلاف اپنے احکام جاری کرتی رہتی ہے، اس لیے اس سے کوئی توقع نہیں کہ وہ احیاے سنت کرے گی، بلکہ اس کے بر خلاف اپنی ایجاد کردہ بدعت پر عمل کرنے کے لیے مجبور کرے گی اور اس کی خلاف ورزی کرنے پر وہ قید وبند اور زدوکوب کے مراحل سے بھی گزار سکتی ہے۔

دوسری طرف شائقین حج وعمرہ کا یہ حال ہے کہ وہ حج پر حج اور عمرہ پر عمرہ کرنے کے باوجود نئے حج وعمرہ کا عزم رکھتے اور وقت آنے پر رخت سفر باندھ لیتے ہیں، شاید کچھ خدا کے بندے ہوں جو حج نفل وعمرہ سے رُکیں۔ اس طرح ہر سال لاکھوں حجاج ومعتمرین کا ترک سعی کے گناہ میں ابتلا لازم آئے گا اور لاکھوں افراد تو ایسے بھی ہوں گے جو حلال ہی نہ ہوں گے مگر حلال شخص کے وہ سب کام کریں گے جو حالت احرام میں حرام ہیں، تو وہ حرام در حرام میں مبتلا ہوتے رہیں گے۔ دم دیں تو لاکھوں روپے کا ضیاع لازم آئے گا جو بلا شبہہ ضرر شدید ہے۔ یہاں پر یہ نہ سوچا جائے کہ لوگ جدید مسعیٰ میں سعی کے لیے مجبور ہیں، اس لیے گناہ کا بار اُن پر نہ پڑنا چاہیے، کیوں کہ جب لوگوں کو معلوم ہے کہ شرعی مسعیٰ میں وہ حکومت کے جبر ودباؤ کی وجہ سے سعی نہیں کر سکتے تو حج وعمرہ کا احرام باندھنا ترکِ سعی پر اقدام ہوا۔ آخر وہ کام کیوں کیا جس سے ترک سعی کا ارتکاب لازم آئے، تو گناہ میں ابتلاے عام سے انکار نہیں کیا جا سکتا، اس لیے رخصت کی تلاش ضروری ہوئی۔''

پھر آپ نے جواز کے تین راستے بتائے ہیں جن کا خلاصہ ترتیب کے ساتھ درج ذیل ہے:

(1) ایسے حرجِ شدید وضررِ عظیم کی صورت میں حنفی، شافعی، مالکی مذہب کے پیروکاروں کے لیے مذہب امام احمد بن حنبل میں گناہ سے بچنے کی گنجائش ہے، کیوں کہ ایک روایت کے مطابق وہ سعی کو سنت قرار دیتے ہیں اور ترک پر دم کا حکم نہیں دیتے۔ جمہورِ علما نے یہی روایت نقل کی ہے، جیسا کہ تفسیر خازن (ج: 1،ص: 96) اور تفسیرات احمدیہ (ج:1،ص:40) کی عبارتوں میں اس کی صراحت ہے۔ (عبارتیں مفتی صاحب کے مقالے میں ص:14-13 پر موجود ہیں)۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی علیہ الرحمہ نے المغنی میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے دو طرح کے قول سعی کے رکن ہونے اور سنت ہونے کے ذکر فرمائے ہیں، مگر دونوں کو ہی بلفظ روایت ذکر کیا ہے جس سے یہ تعیین نہیں ہو پاتی کہ حضرت امام کا مذہب کیا ہے۔ (المغنی کی عبارت مقالہ کے ص:14 پر ملاحظہ کریں) مگر اس کے باوجود ابھی ہم اس پر عمل کی اجازت نہیں دیتے، کیوں کہ علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں مذہب امام اعظم کو "وهو أولى" کہہ کر ترجیح دی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"قال القاضي: هو واجب، ليس بركن، إذا تركه وَجَبَ عليه دمٌ و هو مذهب الحسن و أبي حنيفة والثوري و هو أولى." (المغنی، ج:3،ص:389)

تو ممکن ہے حنبلی مذہب اب یہی ہو، پھر تقلید غیر کا کوئی حاصل نہ ہوگا۔

علاوہ ازیں اس امر کی بھی تحقیق ضروری ہے کہ خود مذہب حنفی میں ترک سعی کے گناہ سے بچنے کا کوئی راستہ ہے یا نہیں، کیوں کہ تقلیدِ غیر کی اجازت اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک کہ اپنے مذہب میں گنجائش کے تمام راستے بند نہ ہوں، یہاں تک کہ ضرورت متحقق ہو تو بھی اپنے مذہب کے قولِ ضعیف پر ہی عمل اولیٰ ہوتا ہے۔

اس حیثیت سے جب ہم فقہ حنفی کے مسائلِ سعی پر نظر ڈالتے ہیں تو دو امکانی راستے نظر آتے ہیں:

(2) ایک یہ کہ صفا سے سعی کی ابتدا ایک روایت پر سنت ہے، لہذا مروہ سے صفا کو سعی کی جائے تو وہ بھی شمار میں آئے گی۔

(پھر آپ نے در مختار و رد المحتار (ج: 3، ص:472) اور مسلك متقسط (ص:120-118) کی عبارت پیش کرنے کے بعد لکھا:)

''اس تشریح کے مطابق حاجی ومعتمر کو چاہیے کہ چار بار مروہ سے صفا کو جائیں تو سعی واجب ادا ہو جائے گی، رہ گئے تین چکر تو ہر چکر کے بدلے صدقہ ادا کر دے، صدقہ سے مراد صدقۂ فطر کی مقدار ہے، اس طرح سعی کے وجوب سے سبک دوشی ہو جائے گی۔''

(3) پھر اپنے مقالہ کے ص: 16 پر شرح لباب (ص: 238)، رد المحتار (ج: 2،ص: 217)، پھر شرح لباب (ص:223) اور ارشاد الساری إلى منسك الملا علي القاری (ص:223) کی عبارتیں ذکر کرنے کے بعد ان کا نچوڑ ان الفاظ میں پیش فرمایا ہے:

''ترک سعی اگر عذر سماوی کی وجہ سے ہو تو بالاتفاق دم واجب نہ ہوگا، اور اگر عذر بندے کی طرف سے ہو مثلاً کسی کو ترک سعی پر مجبور کر دے تو علامہ فارسی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اب بھی دم کا وجوب نہ ہوگا۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ بندے کی طرف سے پائے جانے والے عذر کی وجہ سے سعی کا ترک ہو تو اس سے دم کے واجب ہونے، نہ ہونے میں اختلاف ہے، اب اگر دونوں قول یکساں قوت کے ہوں تو دونوں میں سے کسی بھی ایک کو اختیار کرنے کی اجازت ہوگی۔ غنیہ شرح منیۃ میں ہے:

"فاعمل بما تختار ، والاحتياط أولى."

(بحث زلة القاری، ص:493)

اور اگر علامہ فارسی کا قول ضعیف ہو تو لوگوں کو گناہ سے بچانے کے لیے اسے اختیار کرنے کی اجازت ہوگی اور اسے اختیار کرنا دوسرے امام کی تقلید سے اولیٰ ہوگا۔ حاشیہ فتاویٰ رضویہ میں ہے:

"عند الضرورة تقليد "قيل" في المذهب أحسن من تقليد مذهبِ الغير."

(ج:1،ص:63 رسالہ الطراز المعلم)

پھر یہ اختلاف اس وقت ہے جب عذر من جہۃ العباد ایک یا چند افراد کے حق میں ہو اور اگر عوام وخواص، مرد وعورت، جوان بوڑھے ہر طرح کے بے شمار لوگوں کے حق میں ہو، یعنی عمومِ بلویٰ ہو چکا ہو تو وہ اختلاف نہ ہونا چاہیے کہ عموم بلویٰ بجائے خود باعث تخفیف ہے۔ ارشاد ربانی ہے: "وما جعل عليكم في الدين من حرج." (القرآن الحكيم)

ہمارے مسئلہ دائرہ میں صورت حال یہی ہے کہ جدید مسعیٰ جو در اصل غیر مسعیٰ ہے، میں پہلے ہی سال ابتلاے عام ہو چکا ہے، پھر ہر سال موسم عمرہ ''ربیع الاول و رمضان المبارک'' اور موسم حج ''ذوالقعدہ وذوالحجہ'' میں انسانوں کا سیلاب عظیم اس میں مبتلا ہوگا اور ہوتا رہے گا۔ اس لیے بر بنائے حرج شدید وعموم بلویٰ و فساد مظنون بظن غالب یہ ترک سعی عفو ہونا چاہیے۔'' (مقالہ مفتی محمد نظام الدین رضوی صاحب، ص:13 تا 17 ملخصاً)

یہ تھا مقالات وآرا کا ایک جائزہ جو مندوبین کرام کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ اب اس کی روشنی میں اس موضوع کے تعلق سے درج ذیل گوشے تنقیح طلب معلوم ہوتے ہیں۔

● تنقیح طلب گوشے ●

(1) صفا ومروہ اور ان کے درمیان کا طول وعرض کیا ہے؟ اور کیا مسعیٰ کی تحدید عہد نبوی ہی سے تھی؟

(2) جدید مسعیٰ صفا ومروہ کی درمیانی حدود کے اندر ہے یا باہر؟ یا کچھ اندر اور کچھ باہر؟

(3) اور بہر صورت جدید مسعیٰ میں سعی کرنے سے سعی مامور بہ سے سبک دوشی ہو جائے گی یا نہیں؟

(4) اگر نہیں تو موجودہ صورت حال میں اسلامی شریعت کی رو سے امت مسلمہ کے لیے راہِ عمل اور راہِ نجات کیا ہے؟

مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ کے
پانچ اہم فقہی فیصلے

مفتی محمد نظام الدین رضوی برکاتی

مجلس شرعی کا سولھواں فقہی سمینار 18 صفر 1430ھ روز شنبہ کو شروع ہو کر 20 صفر 1430ھ دوشنبہ کو اختتام پذیر ہوا۔ کثیر علمائے اہل سنت نے شرکت فرمائی۔ اس سمینار میں سات مسائل بحث و تحقیق کے لیے منتخب ہوئے تھے، مگر بحثیں صرف پانچ مسائل پر ہی ہو سکیں اور خدائے کریم کا شکر ہے کہ پانچوں مسائل کے فیصلے باتفاق رائے ہو گئے، جو درج ذیل ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، حامداً و مصلیًا و مسلمًا

پہلی نشست: 18 صفر 1430ھ 14 فروری 2009ء (شنبہ، صبح)

میوچول فنڈ کے ذریعہ کمپنیوں میں کاروبار کا حکم

میوچول فنڈ ایک ایسی کمپنی ہے جو کثیر افراد سے بلا تفریق قوم و مذہب کثیر مال جمع کرتی ہے اور اس میں اپنا مال بھی ملاتی ہے، پھر مجموعی سرمائے کا کچھ حصہ نقد کی شکل میں محفوظ رکھتی ہے تاکہ وہ اپنی یا دوسروں کی مشکل گھڑی میں کام آئے اور بیش تر سرمایہ مختلف کاروباری کمپنیوں کے مساواتی و ترجیحی حصص اور قرض تمسکات میں لگاتی ہے۔ اور وہ کمپنیاں رقم لگانے والوں کو اپنی قرار داد کے مطابق نفع دیتی ہیں۔ اس کے کارکنان یہ دیکھتے رہتے ہیں کہ کون سی کاروباری کمپنیاں زیادہ نفع میں چل رہی ہیں اور کون زیادہ قابلِ اعتماد ہیں جن میں خسارے کا اندیشہ کم سے کم تر ہے۔ پھر کارکنان ایسی چند کمپنیوں کا انتخاب کر کے ان میں سرمایہ لگاتے ہیں۔ چند کمپنیوں کے اندر سرمایہ لگانے سے ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ بالفرض خسارہ ہوگا تو ایک دو کمپنیوں میں ہوگا، سب میں نہ ہوگا۔ ایک دو میں کچھ خسارہ ہوا اور باقی سب میں نفع رہا تو خسارے کی تلافی ہو جائے گی بلکہ مجموعی اعتبار سے نفع ہی رہے گا۔ میوچول فنڈ اپنی ان خدمات کے عوض عوام سے سروس چارج کے نام پر مختصر رقم بھی وصول کرتا ہے، جو عموماً 2.25 فی صد ہوتی ہے۔

واضح رہے کہ مساواتی حصص (ایکویٹی شیرز) کے شرکا نفع و نقصان دونوں میں شریک ہوتے ہیں اور ترجیحی حصص (پریفرنس شیرز) کے شرکا نقصان میں شریک نہیں ہوتے، بلکہ ان کے نفع کی مقدار پہلے سے مقرر ہوتی ہے، جو بہر حال انھیں ملنی ہے، کاروباری کمپنی نفع میں ہو یا نقصان میں۔

اس صورت حال کے پیش نظر **پہلا سوال** یہ سامنے آتا ہے کہ میوچول فنڈ میں حصہ لینا کس عقد شرعی کے تحت آتا ہے؟ اور **دوسرا سوال** یہ ہے کہ اس میں شرکت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کے ذریعہ حاصل ہونے والی رقم نفع کا کیا حکم ہے۔ ان سوالات کے پیش نظر **درج ذیل امور فیصل** ہوئے۔

(1) میوچول فنڈ کے کارکنان کو سرمایہ اس طور پر دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق یہ سرمایہ لگائیں، پھر کارکنان وہ سرمایہ مساواتی حصص، ترجیحی حصص اور قرض تمسکات میں لگاتے ہیں۔ اس لحاظ سے پہلا معاملہ جو میوچیول فنڈ کی انتظامیہ کے ساتھ ہوا، وہ صرف توکیل ہے۔ اس کے بعد فنڈ کے ذمہ داران نے کمپنیوں کے ساتھ مساواتی حصص (ایکویٹی شیرز) کے جو معاملات کیے وہ شرکت عنان ہیں اور ترجیحی حصص (پریفرنس شیرز) اور قرض تمسکات کے جو معاملات کیے وہ عقد قرض ہیں۔

(2) اگر کچھ کمپنیاں صرف مساواتی حصص میں سرمایہ کاری کرتی ہیں ترجیحی حصص اور قرض تمسکات کے سرمایے نہ دیتی ہیں، نہ لیتی ہیں اور مسلمان کو ظن غالب ہو کہ وہ نقصان سے دو چار نہ ہوگا، ایسی کمپنیوں کے کاروبار میں حصہ لے سکتے ہیں، تاہم احتیاط یہ ہے کہ زیادہ دنوں تک اپنا سرمایہ اس میں نہ رکھیں، جب کمپنی نفع میں چل رہی ہو اسی وقت اپنا سرمایہ واپس لے لیں۔

اور جو کمپنیاں ترجیحی حصص اور قرض تمسکات بھی جاری کرتی ہیں یا جن کمپنیوں میں یہ دونوں طرح کے سرمایے بھی لگائے جاتے ہیں ان میں بھی روپے جمع کرتی ہیں، ان کمپنیوں کے میوچول فنڈ میں حصہ لینا ناجائز و گناہ ہے کہ یہ دونوں سرمایے سود کی شرط پر دیے، لیے جاتے ہیں۔

(3) پہلی قسم کی کمپنیوں کے ذریعہ کاروبار بھی جائز اور اس کاروبار سے حاصل شدہ منافع بھی حلال اور پاک ہیں۔ دوسری قسم کی کمپنیوں کے ذریعہ کاروبار ناجائز ہے۔ مسلمان اس میں حصہ نہ لیں اور جو شریک ہو گئے وہ اپنا سرمایہ جلد اس سے نکال کر الگ ہو جائیں اور اس کاروبار سے انھیں جو منافع حاصل ہوئے ہیں وہ دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ جو مساواتی حصص سے متعلق ہیں۔ دوسرے وہ جو ترجیحی حصص اور قرض تمسکات سے متعلق ہیں۔ پہلی قسم کے منافع وہ لے سکتے ہیں، البتہ دوسری قسم کے منافع ان کے لیے ناجائز ہیں اس لیے انھیں لے کر فقرا و مساکین کو دے دیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

دوسری نشست: 18 صفر 1430ھ 14 فروری 2009ء (شنبہ، بعد مغرب)

پرافٹ پلس کا حکم

پرافٹ پلس زندگی بیمہ کی ایک اسکیم ہے، جس میں جمع کردہ ساٹھ فی صد یا کم و بیش رقم کمپنی شیر بازار میں لگاتی ہے اور تین سال کے بعد جو بھی نفع ہوتا ہے اسے کمپنی سال بہ سال صارف کی درخواست پر دیتی ہے ورنہ دس یا بیس سال مکمل ہو جانے پر پورا نفع ایک ساتھ کمپنی صارف کو دے دے گی۔ شیر بازار کی جن کمپنیوں میں پرافٹ پلس کا سرمایہ لگایا جاتا ہے ان میں مساواتی حصص (ایکویٹی شیرز) بھی ہوتے ہیں اور ترجیحی حصص (پریفرنس شیرز) بھی۔ البتہ یہ سرمایہ صرف مساواتی حصص میں ہی لگایا جاتا ہے۔ باقی چالیس فی صد سرمایہ بیمہ کارپوریشن کے پاس رہتا ہے۔ واضح رہے کہ مساواتی حصص کے حصہ دار نفع و نقصان دونوں میں برابر کے شریک ہوتے ہیں جب کہ ترجیحی حصص کے حصہ دار اپنے حصہ پر مقررہ شرح کے لحاظ سے نفع لیتے ہیں ان کا کبھی نقصان نہیں ہوتا۔

پرافٹ پلس کے تحت چار طرح کے فنڈ آتے ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(1) بونڈ فنڈ (Bond Fund)
(2) محفوظ فنڈ (Secured Fund)
(3) متوازن فنڈ (Balanced Fund)
(4) گروتھ فنڈ (Growth Fund)

بونڈ فنڈ کی رقم شیر بازار میں نہیں لگائی جاتی اور باقی تینوں فنڈ کی رقم شیر بازار کے مساواتی حصص (ایکویٹی شیرز) میں لگائی جاتی ہے۔

اس کے تعلق سے یہ فیصلہ ہوا:

(1) پرافٹ پلس کا جز حصہ (15 فی صد سے 80 فی صد تک) جو مساواتی حصص میں لگایا جاتا ہے وہ شرکت عقد کی ایک خاص قسم "شرکت عنان" ہے۔

(2) اور پرافٹ پلس کا جز حصہ (85 فی صد سے 20 فی صد تک) جو لائف انشورنس کارپوریشن میں رہتا ہے، وہ اس کے ذمہ قرض ہے۔ جس کے متعلق اس کا دستور یہ ہے کہ ایک مقررہ میعاد کے بعد اس پر نفع کثیر دیتا ہے جو فریقین کو معلوم ہے اور عرفاً و لفظاً معہود و متعین، تو یہ "قرض بشرطِ نفع" ہوا۔

(3) حادثہ کی صورت میں پورے انشورنس کی رقم بیمہ دار کے نامزد وارث یا قرابت دار کو کچھ قانونی کارروائیوں کے بعد ادا کی جاتی ہے اور یہ ادائگی بھی پہلے سے معہود اور مشروط ہے تو یہ قمار کا معاملہ ہوا۔

شرعی احکام:- پرافٹ پلس کی شرعی حیثیت مختلف ہونے کی وجہ سے اس کے احکام بھی مختلف ہیں، جو حسب ذیل ہیں:

(1) شرکت عنان جائز ہے مگر جن کمپنیوں میں پرافٹ پلس والوں کا سرمایہ جمع ہوتا ہے وہ ترجیحی حصص کے سرمایے بھی کاروبار میں لگاتی ہیں اور تمام سرمایے اور ان کے اموال بلا امتیاز مخلوط طور پر رکھے جاتے ہیں، پھر مجموعی منافع سے ترجیحی حصص والوں کو سود کی رقم ادا کی جاتی ہے، جس کے ذمہ دار تمام مساواتی حصص والے ہوتے ہیں، اس لیے یہ کاروبار بجائے خود جائز ہونے کے باوجود ناجائز ہو گیا۔ لہذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس سے اجتناب کریں اور جو لوگ شریک ہو چکے ہیں وہ جلد از جلد اپنے شیر کسی غیر مسلم کے ہاتھ بیچ کر باہر آ جائیں۔ البتہ جو نفع کمایا وہ حلال ہے کہ پاک مال کا نفع ہے اور ناجائز صرف فعل ہے، مال نہیں۔

(2) سیکولر حکومتوں اور وہاں کے غیر مسلموں کے ساتھ ان کی رضا

منڈی سے وہ تمام عقود جائز ہوتے ہیں جو مسلمان مسلمان کے درمیان ناجائز ہوتے ہیں، اس لیے جن صورتوں میں پرافٹ پلس کی حیثیت قرض بشرط نفع اور قمار بنتی ہے ان صورتوں میں پرافٹ پلس کی اجازت ہے، مگر جہاں پرافٹ پلس بغیر شرکت کے اور شرکت بغیر ترجیحی حصص کے نہیں پائی جاتی، وہاں پرافٹ پلس سے اجتناب واجب ہے کہ یہ ایک ناجائز کاروبار میں مبتلا ہونے کا ذریعہ ہے۔

(3) پرافٹ پلس کی پہلی صورت قرض بشرط نفع کی ہے، لہذا وہ جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

تیسری نشست: 19 صفر 1430ھ 15 فروری 2009ء (اتوار، صبح)

طویل المیعاد قرض پر زکاۃ کا حکم

بعض ملکوں میں لوگ کاروبار، مکان، دُکان یا گاڑی کے لیے قرض لیتے ہیں، جس کی ادائگی کے لیے ایک طویل مدت مثلاً 5، 10، 20، 25 اور 30 سال ہوتی ہے۔ اور یہ شرط بھی ہوتی ہے کہ قرض لینے والا شخص ایک مقررہ تفصیل کے مطابق کل رقم قرض واپس کرنے کے ساتھ زائد رقم بھی ادا کرے۔ بعض بینکوں اور کمپنیوں کے یہاں یہ قید بھی ہوتی ہے کہ جو مدت مقرر کی گئی ہے اس سے پہلے قرض کی ادائگی نہیں کر سکتے، اگر پہلے ادا کیا تو جرمانہ دینا پڑے گا اور بعض کے یہاں ایسی کوئی قید نہیں ہوتی قرض دار مقررہ مدت سے پہلے بھی زیادہ سے زیادہ رقم ادا کر سکتا ہے مگر زائد رقم کی جو شرح بینک نے مقرر کی ہے وہ دینی پڑے گی۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ قرض دار نے بینک سے جب قرض لیا اس وقت اس کی پوزیشن اچھی تھی مگر بعد میں وہ بحران کا شکار ہو گیا اور اسے یہ خطرہ لاحق ہو گیا کہ اگر بینک کی بقیہ قسطیں جمع نہ کیں تو بینک مکان پر قبضہ کر لے گا۔ اس سے بچنے کے لیے وہ کم شرح منافع پر کسی دوسرے بینک سے قرض لیتا ہے۔

اس صورتِ حال سے متعلق خاص طور سے **دو سوال** زیر بحث آئے۔ **ایک یہ** کہ غیر مسلم بینکوں یا کمپنیوں سے ایسا طویل المیعاد قرض یا قرض پر قرض لینا جائز ہے یا نہیں، جب کہ اس میں قرض سے زیادہ رقم دینے کی شرط مستقرض کے لیے ہوتی ہے۔

دوسرا سوال یہ کہ ایسا قرض دار قرض کی کل رقم اپنے مال سے وضع کر کے بقیہ مال نصاب پر زکاۃ دے گا یا قرض کی میعاد نہ آنے کی وجہ سے رقم قرض کو بھی اپنے مال میں شمار کرے گا اور اس کی بھی زکاۃ دے گا؟

پہلے سوال کے جواب میں یہ فیصلہ ہوا کہ ایسے بینک یا کمپنی کو نفع دینے کی شرط پر قرض لینا ناجائز و حرام ہے خواہ ادائگی قرض کی مدت مختصر ہو یا طویل۔ لیکن بعض صورتوں میں جواز ہے:

(1) اگر کسی شخص کے حق میں ضرورت شرعیہ متحقق ہے اور بے نفع دیے قرض ملنے کی صورت نہیں تو اس کے لیے بقدر ضرورت ایسا قرض لینا جائز ہے خواہ وہ قرض ابتداءً ہو یا قرض پر قرض ہو۔

(2) اگر یہ یقین یا ظن غالب ہو کہ قرض نہ لیا تو انکم ٹیکس دینا پڑے گا جس کی مقدار اس رقم سے زیادہ ہوگی جو قرض لینے کی صورت میں مزید دینی پڑے گی، ایسی صورت میں بھی مذکورہ قرض لینے کا جواز ہے۔

(3) اگر کسی کو مکان یا دُکان کی حاجت شرعیہ ہے اور اسے یہ معلوم ہے کہ اگر کرایے پر مکان لے تو بیس پچیس سال کے کرایے میں بڑی خطیر رقم دینی پڑے گی، اور اگر بینک سے قرض لے کر مکان خریدے تو اس سے کم میں مالکِ مکان ہو جائے گا اور آئندہ کرایہ دینے کی بھی کوئی فکر نہ ہوگی۔ ایسے شخص کو اگر ظن غالب ہو کہ وہ قرض کی تمام قسطیں پابندی سے ادا کر لے گا تو اسے بھی اس طرح کا قرض لینے کی اجازت ہے۔

درج بالا احکام کے مآخذ یہ ہیں۔

رد المحتار میں ہے:

"قال فی الشر نبلالی: و من شرائط الربا عصمة البدلین." (ج:7، ص:399)

حدیث شریف میں ہے:

"لا ربوا بین المسلم والحربی." (فتح القدیر، ج:7، ص:39)

رد المحتار میں ہے:

"قال فی فتح القدیر: لا یخفیٰ أن هذا التعلیل إنما یقتضی حل مباشرة العقد إذا كانت الزیادة ینالُها المسلم...... وقد ألزم الأصحاب فی الدرس أن مرادهم من حل الربا و القِمار ما إذا حصلت الزیادةُ للمسلم نظرا إلی

العلة و إن كان إطلاق الجواب خلافه اه."

(اواخر باب الربا قبل باب الحقوق، ج:4، ص:209)

دوسرے سوال (ایسا قرض دار قرض کی کل رقم اپنے مال سے وضع کر کے بقیہ مال نصاب پر زکاۃ دے گا یا قرض کی میعاد نہ آنے کی وجہ سے رقم قرض کو بھی اپنے مال میں شمار کرے گا اور اس کی بھی زکاۃ دے گا؟) **کے جواب میں** یہ طے ہوا کہ ایسا قرض دار قرض کی کل رقم اپنے مال سے وضع کر کے بقیہ مالِ نصاب پر زکاۃ دے گا۔

اس کے مآخذ درج ذیل ہیں:

(1) بدائع الصنائع میں (شرائط فرضیة الزكاة الراجعة إلی مَن علیه — کے تحت) ہے:

"و منها أن لا یكون علیه دین مُطالَب به من جهة العباد عندنا، فإن كان فإنه یمنع وجوب الزكاة بقدره حالّا كان أو مؤجلا."

(ج:2، ص:9، اشاعت: مرکز اہل سنت برکات رضا، پور بندر، گجرات)

(2) تبیین الحقائق میں ہے:

"و لا فرق فی الدین بین المؤجل والحال. والمراد "بالدین" دین له مطالِبٌ من جهة العباد." (ج:2، ص:4)

دینِ موجل کے مانعِ وجوبِ زکاۃ ہونے کی صراحت درج ذیل کتابوں میں بھی ہے:

(3) بنایه شرح هدایه، ج:3، ص:365، کتاب الزكاة.

(4) البحر الرائق، ج:2، ص:204.

(5) در مختار مع رد المحتار، ج:3، ص:176.

(6) فتاویٰ قاضی خاں، ج:1، ص:122، کتاب الزكاة فصلٌ فی مال التجارة.

(7) فتاویٰ تاتار خانیه، ج:2، ص:51-50، کتاب الزكاة.

(8) نهایه شرح هدایه۔

(9) کفایه شرح هدایه، ج:2، ص:160، کتاب الزكاة.

(10) هندیه میں ہے:

"و كذلك المهر یمنع مؤجلا كان او معجلا لأنه مطالَب به، كذا فی محیط السرخسی، و هو الصحیح علی ظاهر المذهب. اه"

(ص:173، ج:1)

ایک اشتباہ:- بعض حضرات کا خیال ہے کہ دین میعادی وجوبِ زکاۃ سے مانع نہیں۔ انھوں نے مہر سے متعلق ہندیہ کے اس جزئیے سے استناد کیا ہے:

"قال مشایخنا رحمهم الله تعالیٰ فی رجلٍ علیه مَهرٌ مؤجل لامر آته وهولا یرید اداء ه لا یجعل مانعاً من الزكاة اه." (ص:173، ج:2)

اس طرح کی عبارت دیگر کتابوں میں بھی ہے۔

فتح القدیر میں ہے:

"وهل یمنعُ الدین المؤجل كما یمنع المعجل: فی "طریقة الشهید": لا روایة فیه. إن قلنا: لا، فله وجه، و إن قلنا: نعم، فله وجه۔اه." (کتاب الزكاة ص:120، ج:2)

رد المحتار میں ہے:

"قال فی المعراج: و عن ابی حنیفة: لا یمنع. و قال الصدر الشهید: لا روایة فیه. و لكل من المنع و عدمه وجه. زاد القهستانی عن الجواهر: والصحیح انه غیر مانع اه." (ص:177، ج:3)

قہستانی کے الفاظ یہ ہیں:

"و قیل: یمنع المعجل دون المؤجل كما فی الاختیار و ذكر فی المغنی: ان دین العباد یمنع ولو مؤجلا و عن الصدر الشهید: لا روایة فیه. و للمنع و عدمه وجه كما فی الكافی. والصحیح: انه غیر مانع كما فی الجواهر اه." (جامع الرموز للقهستانی، ص:185، ج:1 کتاب الزكاة)

بہار شریعت میں ہے:

"جو دین میعادی ہو وہ مذہب صحیح میں وجوب زکاۃ کا مانع نہیں (رد المحتار) چوں کہ عادۃً دین مہر کا مطالبہ نہیں ہوتا لہذا اگرچہ شوہر کے ذمہ کتنا ہی دین مہر ہو جب وہ مالک نصاب ہے، زکاۃ واجب

ہے(عالمگیری)۔" (بہارِ شریعت، حصہ:5،ص:14)

غور طلب:- اول الذکر کتب معتمدہ میں صاف وضاحت ہے کہ دین خواہ مؤجل ہو یا معجّل، وجوبِ زکاۃ سے مانع ہے یہاں تک کہ خود ہندیہ میں خاص مہر سے متعلق ہے کہ موجل ہو یا معجّل، وجوبِ زکاۃ سے مانع ہے، اس لیے کہ اس کا مطالبہ ہوتا ہے۔ اس پر محیط سرخسی کا حوالہ دیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ: "وهو الصحيح على ظاهر المذهب."

اس لیے یہ غور کرنا ضروری ہے کہ ان عبارتوں میں ایسا تعارض کیوں ہے؟ دین موجل اور مہر مؤجل کو کہیں مانعِ وجوبِ زکاۃ کہا گیا ہے اور کہیں اس کے خلاف آیا ہے، ایسا کیوں؟

حل اشکال:- دَین تین طرح کا ہوتا ہے:

(1) دین حال:- جس کی ادائگی فوراً واجب ہو جیسے عام خرید و فروخت میں سامان کا دام، یا قرض۔ **(2) دین مؤجل مشروط:-** جس کی ادائگی کی میعاد باہمی قرارداد کے ذریعہ معین ہو۔ **(3) دین مؤجل عرفی:-** جس کی ادائگی کی میعاد عرفاً معلوم ہو مگر اس کے لیے کوئی خاص تاریخ متعین نہ ہو، جیسے آج کے زمانے میں عورتوں کا مہر کہ عرفاً اس کی ادائگی کا وقت طلاق یا موت ہے، مگر اس کے لیے کوئی خاص تاریخ متعین نہیں، طلاق یا موت کسی وقت بھی ہو سکتی ہے۔

جن عبارتوں میں دینِ معجّل اور دینِ مؤجل دونوں کو وجوبِ زکاۃ سے مانع کہا گیا ہے ان میں دینِ مؤجل سے <u>مراد وہ دین ہے جس</u> کے لیے کوئی وقت اور تاریخ مقرر ہو، یعنی دینِ مؤجل مشروط۔ اور جن عبارتوں میں دینِ مؤجل کے مانعِ زکاۃ ہونے، نہ ہونے <u>دونوں طرح کی باتیں</u> لکھی گئی ہیں ان میں دینِ مؤجل سے مراد دینِ مؤجل عرفی ہے۔ یعنی دینِ مؤجل مشروط بالاتفاق مانعِ وجوبِ زکاۃ ہے اور صرف دین مؤجل عرفی کے مانعِ وجوب ہونے میں اختلاف ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ طحطاوی، شامی اور قہستانی میں جواہر کی جس عبارت کے پیشِ نظر دین مؤجل کے مانعِ وجوبِ زکاۃ نہ ہونے کی تصحیح نقل کی گئی ہے وہ مہر مؤجل کے بارے میں ہے جیسا کہ فتاوی ہندیہ کی درج ذیل عبارت سے واضح ہے:

"و ذكر البزدوي في شرح الجامع الكبير: قال مشايخنا رحمهم الله تعالىٰ في رجل عليه مهر مؤجل لا مرأته و هو لا يريد اداء ه لا يجعل مانعا من الزكاة لعدم المطالبة في العادة و انهٗ حسن ايضا، هكذا في جواهر الفتاوی. اه" (هندیه، ص:173، ج:1)

اسی مہر مؤجل کے حکم سے دین مؤجل کے حکم کی تخریج کی گئی ہے اور اس مہر مؤجل سے مراد مؤجل عرفی ہے تو اس سے مستخرج دین موجل سے مراد بھی مؤجل عرفی ہے۔

امام ابن الہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

"و لو كان عليه مهر لامرأته و هو لا يريد اداءهٗ لا يجعل مانعا من الزكاة، ذكره في التحفة عن بعضهم لأنه لا يعده دينا. و ذكر قبله: "مهر المرأة يمنع مؤجلا كان او معجلا لانها متى طلبت اخذته". وقال بعضهم: ان كان مؤجلا لا يمنع لأنه غير مطالب به عادة۔ انتهى و هذا يفيد أنّ المراد المؤجل عرفًا. لا شرطًا مصرّحًا به و الا لم يصح قوله: "لانها متى طلبت اخذته" ولا "بأنه غير مطالب به عادة" لأن هذا في المعجل لا المؤجل شرطاء فلا معنى لتقييد عدم المطالبة فيه بالعادة. اه" (ج:2، ص:120، ج:2 ص:173 كتاب الزكاة)

الغرض ان عبارتوں کا حاصل یہ ہے کہ ایسا دین جو عرفاً مؤجل ہو یعنی عادۃً جس کا مطالبہ نہ ہوتا ہو، نہ ہی آدمی اسے اپنے ذمہ دین سمجھتا ہو وہ وجوبِ زکاۃ سے مانع نہیں جیسے زوجہ کا مہر مؤجل جو عرفاً موت یا طلاق تک مؤخر ہوتا ہے۔

مگر بینکوں کے دیون کا حال اس سے جدا ہے۔ یہاں مدیون اچھی طرح سمجھتا ہے کہ میرے ذمہ بینک کا دین ہے جسے میں نے ادا نہ کیا تو جائداد نیلام ہو سکتی ہے اور بینک ایک زبردست مطالِب بھی ہے کہ وہ عدم ادائگی کی صورت میں جائداد نیلام کر کے اپنا دین وصول کرنے کی قوت رکھتا ہے، مگر ایک لمبی مدت تک صرف اس لیے چھوٹ دیتا ہے کہ مثلاً بیس لاکھ

کی جگہ بائیس لاکھ وصول کر سکے۔ اس لیے بینکوں کا قرض بہر حال وجوبِ زکاۃ سے مانع ہے۔ والله تعالىٰ اعلم۔

بادی النظر میں یہاں ایک اور فرق سامنے آتا ہے وہ یہ کہ قرض دین قوی ہے اور مہر دین ضعیف جیسا کہ عامۂ کتب فقہ میں اس کی صراحت ہے، لیکن یہ فرق یہاں مفید نہیں اس لیے کہ دین کے قوی یا ضعیف ہونے کا اثر "قرض خواہ" پر وجوبِ زکاۃ کے سلسلے میں پڑتا ہے۔ اور مدیون یا مقروض کو تو بہر حال اسے زکاۃ کے حساب سے وضع کر لینے کی اجازت ہے۔

سوال:- آخر میں ایک سوال یہ پیش ہوا کہ مدیون پر جو دین ہے وہ تو اپنے مال سے وضع کر کے بقیہ کی زکاۃ دے گا مگر اس پر بینک کی طرف سے جو زائد مال دینا ظلماً لازم ہو رہا ہے اس کو اپنے مال سے وضع کرے گا یا وضع نہ کر کے اس کی بھی زکاۃ دے گا؟

جواب:- اس کے جواب میں یہ بتایا گیا کہ زائد مال جو ظلماً دینا لازم ہو رہا ہے وہ مانع زکاۃ نہیں، مستقرض اس کی زکاۃ ادا کرے۔ هندیه كتاب الزكاة میں ہے:

"لو كان الدين خراج ارض يمنع وجوب الزكاة بقدره. وهذا اذا كان خراجا يوخذ بحق و كان تمام الحول بعد ادراك الغلّة، و أما إذا كان قبل ادراكها فلا. وما يؤخَذُ بغير حق لا يمنع وجوب الزكاة ما لم يوخذ منه قبل الحول۔" (ص: 173، جلد اول، اشاعت کوئٹہ، پاکستان)

ایک سوال یہ تھا کہ ایسے تاجر جن کے ذمہ بینکوں وغیرہ کا قرض بھی ہوتا ہے وہ زکاۃ <u>کیسے نکالیں؟</u>

اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا شخص مالِ تجارت کی قیمت، بینک بیلنس، اپنے گھر اور جیب وغیرہ میں موجود روپے اور دوسروں کے ذمہ اس کا جو قرض یا دین ہو وہ سب جوڑ لے پھر اس میں سے اپنے ذمہ کا قرض و دین وضع کر کے باقی مالِ نصاب کا ڈھائی فی صد زکاۃ میں ادا کرے، اور حساب میں بزنس میں لگائے ہوئے روپے نہ جوڑے بلکہ بزنس کا جو مال ہے اس کی واجبی قیمت جوڑے۔ واضح رہے کہ نرخ بازار کے اعتبار سے کسی چیز کی جو مالیت بنتی ہو وہی "قیمت" ہے۔ اسی کا اعتبار ہوگا۔ بائع اور خریدار کے درمیان باہمی رضامندی سے کسی چیز کا جو دام طے ہو وہ "ثمن" ہے۔ یہاں اس کا اعتبار نہیں۔ باہمی رضامندی سے کسی چیز کا دام بازار بھاؤ <u>سے بہت کم</u> بھی طے ہو سکتا ہے اور بہت زیادہ بھی۔؟

مآخذ:- فتاوىٰ رضويه، تبيين الحقائق، تاتار خانيه، محیط امام سرخسی، هنديه، رد المحتار۔

جہاں واجبی شے کی جگہ کوئی اور چیز زکاۃ میں دی جائے تو صرف بلحاظِ قیمت جانبین ہی دی جا سکتی ہے۔ في التبيين: لو أدىٰ من خلاف جنسه تعتبر القيمة بالاجماع اه.

"اگر سونے کے بدلے چاندی یا چاندی کے بدلے سونا دینا چاہیں تو نرخ کی ضرورت ہوگی۔ نرخ نہ بنوانے کے وقت کا معتبر ہو، نہ وقتِ ادا کا۔ اگر ادا سالِ تمام کے پہلے یا بعد ہو، جس وقت یہ مالکِ نصاب ہوا تھا، وہ ماہِ عربی و تاریخ و وقت جب عود کریں گے اس پر زکاۃ کا سال تمام ہوگا۔ اُس وقت کا نرخ لیا جائے گا۔" (فتاویٰ رضویہ، ج:4، ص:410)

چوتھی نشست: 19 صفر 1430ھ 15 فروری 2009ء (یک شنبہ، بعد مغرب)

درآمد برآمد گوشت کا حکم

اس نشست میں ایک شہر سے دوسرے شہر یا ایک ملک سے دوسرے ملک لائے جانے والے گوشت سے متعلق مذاکرات ہوئے اور درج ذیل امور طے ہوئے:

(1) جو گوشت غیر مسلم ملکوں یا غیر مسلم کمپنیوں کے ذریعہ درآمد ہو وہ حلال نہیں، اس لیے کہ ان ملکوں میں زیادہ تر یہ کام عیسائیوں کے ہاتھوں میں ہے اور اور ان کی اکثریت اپنے کتابی مذہب سے مرتد ہو چکی ہے اور اس لیے بھی کہ ان ملکوں میں مشینوں سے ذبح کا رواج ہے۔

(2) جس گوشت کے بارے میں معلوم ہو کہ مشین سے ذبح کیے ہوئے جانور کا ہے وہ حلال نہیں خواہ وہ مسلم ملک اور مسلم کمپنی ہی کے ذریعہ درآمد ہوا ہو۔

(3) جو گوشت مسلم ملک سے مسلم ملک میں آئے اور یہ معلوم ہو کہ مشین کا ذبح کیا ہوا نہیں بلکہ مسلمان کے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا ہے، وہ حلال ہے۔ فتاویٰ قاضی خاں میں ہے:

☆ ولو ان رجلا اراد ان یشتری لحما فقال له رجل عدل: لا تشترِ فانه ذبیحة مجوسی، و قال له القصاب: انه ذبیحة مسلمٍ والقصاب عدل ، قال الفقیه ابو جعفر رحمه اللّٰه تعالیٰ : ان السّامع یتحرّیٰ، فان لم یقع تحرّیهِ علیٰ شئٍ یسقط الخبران ، فتبقی الاباحة الاصلیة .اھ

(فتاویٰ قاضی خاں علی ھامش الھندیة، ص:416، ج:3)

☆ عالم گیری میں ہے:رجل دخل علی قوم من المسلمین یاکلون طعاما و یشربون شرابا فدعوه الیه فقال رجل مسلم ثقة قد عرفه: "ھذا اللحمُ ذبیحة المجوسی و ھذا الشراب قد خالطه الخمرُ" و قال الذین دعوه الی ذٰلك: "لیس الامر کما قال ، بل ھو حلال" فانه ینظر فی حالھم فان کانوا عدولا ثقات لم یلتفت الی قول ذٰلك الرجل الواحد و ان کانوا متھمین اخذ بقوله ولم یسعه ان یقرب شیئاً من الطعام والشراب...... فإن فی القوم رجلان ثقتان اخذ بقولھما و ان کان فیھم و احدٌ ثقة عمل فیه باکبر رائه، فان لم یکن له رای و استوی الحالان عنده فلا باس باکل ذٰلك و شربه اھ (ص:309،ض:5)

(4) امریکہ کے متعلق معلوم ہوا کہ وہاں بعض شہروں میں یہودیوں کے مذابح ہیں، جو بالعموم اپنے طور پر اپنے کتابی مذہب کے پابند ہوتے ہیں، ان کے ذبیحہ کی حلت قرآن میں مصرح ہے۔ مزید برآں وہ یہ اہتمام بھی کرتے ہیں کہ اپنے یہاں مسلم ذابح رکھتے ہیں اور ان کے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا جانور ہی مسلم دُکان داروں کو اپنے ملازمین سے سپلائی کرتے ہیں، پھر ان مسلم دُکان داروں سے عام مسلمان گوشت خریدتے ہیں۔ یہ جائز و حلال ہے۔لیکن اگر وہ ایک ہی گاڑی میں حلال اور حرام جانور الگ الگ کر کے مسلم اور غیر مسلم کے یہاں بھیجتے ہیں تو مسلمانوں کو یہ چاہیے کہ وہ گوشت پہلے تین بار دھولیں، پھر پکائیں۔اور مناسب یہ ہے کہ مسلم حضرات یہ کاروبار اپنے مسلمان بھائیوں کی بھلائی کے لیے خود اپنے ہاتھ میں لیں اور شریعت کی پوری پابندی کے ساتھ ذبح وترسیل اور فروخت کا کام انجام دیں۔

پانچویں، چھٹی نشست: 20 صفر 1430ھ 16 فروری 2009ء (دوشنبہ)

جدید مسعیٰ میں سعی کا حکم

(1) تحقیقات سے معلوم ہوا کہ عہد نبوی وعہد صحابہ وتابعین سے رمضان 1429ھ تک سلفاً خلفاً جو مسعیٰ عملاً اجماعی تھا، اب اضافہ شدہ مسعیٰ اس سے بالکل خارج ہے، لیکن صفا سے مروہ تک جانے کا راستہ موجودہ حکومت نے اس طرح بنایا ہے کہ کوئی شخص صرف قدیم مسعیٰ میں سعی مکمل نہ کر سکے۔ اس لیے کوئی حل تلاش کرنا ضروری ہوا۔

مجلس شرعی کے اجلاس میں بحث وتمحیص کے بعد جس حل پر اتفاق ہوا، وہ یہ ہے کہ مذہب حنفی کے ایک قول کے مطابق صفا سے سعی کی ابتدا سنت ہے، اس قول پر اگر مروہ سے صفا کی طرف سعی کی جائے تو وہ بھی شمار میں آئے گی۔ ایسی صورت میں ہر حاجی ومعتمر کو چاہیے کہ چار بار مروہ سے صفا کی طرف جائے یعنی کل آٹھ چکر لگائے تو چار چکر قدیم مسعیٰ میں ہو جائیں گے، اتنے سے اکثر سعی ادا ہو جائے گی اور باقی تین چکر نا قابلِ شمار ہونے یا فوت ہونے کی وجہ سے دم واجب نہ ہوگا بلکہ اخیر کے تین چکروں میں سے ہر چکر کے عوض ایک صدقۂ فطر کی مقدار تصدق لازم ہوگا۔ اور اگر کل چودہ چکر لگالیں تو قدیم مسعیٰ میں سات چکر پورے ہو جائیں گے اور صدقہ کرنا بھی واجب نہ ہوگا۔

(2) معذورین جن کا ایک چکر بھی قدیم مسعیٰ میں ہونے کی گنجائش نہیں رکھی گئی، ان کے بارے میں حکم فقہ یہ ہے کہ بر بنائے عذر فوت سعی کی وجہ سے دم یا صدقہ واجب نہ ہوگا۔

(3) حکومت سعودیہ سے مطالبہ یہ ہے کہ تمام نصوص وروایات کی اہمیت کو بھی سامنے رکھے اور انتظامی سہولت بھی پیدا کرے۔ اس کی صورت یہ ہوسکتی ہے قدیم مسعیٰ کے اوپر سعی کے لیے ایک یا کئی منزلیں بنائے، تاکہ اطراف عالم سے حجاز مقدس پہنچنے والے حجاج ومعتمرین کے مناسک پورے طور سے ادا ہوں۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔☆☆☆

تاثرات مندوبین

ترتیب: مولانا محمد آزاد مصباحی

حضرت مولانا مفتی حبیب یار خاں صاحب، اندور

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اہل سنت وجماعت کے اس مرکز میں حاضر ہونے پر مجھے بے پناہ مسرت ہے۔ جس سمینار کے بارے میں پڑھتا تھا، سنتا تھا، جس کے دیکھنے، سننے کا مجھے اشتیاق تھا، الحمد للہ اسے بچشم سر دیکھا، سنا، بہت پسند آیا۔ طبیعت اور روح خوش ہوگئی۔ ماشاء اللہ، سبحان اللہ۔ بفضلہٖ تعالیٰ اہل سنت وجماعت میں علم اور فضل وکمال کے ایک سے ایک آفتاب و ماہتاب ہیں۔ ہماری جماعت میں اور ہمارے علما میں مطالعہ کا جذبہ اور تحقیق وتدقیق کا ملکہ روز افزوں ترقی پا رہا ہے۔ اس سمینار کی برکت سے ہمارے علما مطالعہ اور تحقیق میں ترقیاں فرما رہے ہیں۔ پہلے درسیات اور فتاویٰ کی ضروری کتب کے مطالعہ تک ہمارے علما محدود رہتے تھے۔ لیکن جب سے فقہی سمینار کا یہ سلسلہ جاری ہوا ہے، بحمدہ تبارک وتعالیٰ یہ پورے ملک بلکہ پورے عالمِ اسلام کی کفالت کر رہا ہے۔ دار العلوم اشرفیہ مبارک پور، حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کی روحانی اور علمی یادگار ہے۔ ان کی کاوشیں، کوششیں، ان کا خون جگر اس کی ایک ایک اینٹ میں موجود ہے اور انھوں نے جو خواب دیکھا تھا الحمد للہ آپ اور ہم اسے محسوس کر رہے ہیں اور اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور میں تو یہ یقین سے کہتا ہوں کہ خود حضور حافظ ملت بھی اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرما رہے ہیں اور خوش ہو رہے ہیں۔ مولا تبارک وتعالیٰ اس چمن علم کو سرسبز وشاداب رکھے اور دین متین کی، سنیت کی بہتر سے بہتر خدمت کا موقع اور توفیق عطا فرمائے۔

بحمدہٖ تبارک وتعالیٰ ہم مسلک اعلیٰ حضرت کے پابند ہیں۔ ہمارا مسلکی لحاظ سے مرکز بریلی شریف ہے اور دار العلوم اشرفیہ مبارک پور ہمارا علمی مرکز ہے اور اسی مرکز کی یہ گویا تقویت گاہ ہے۔ یہاں پر جو بھی گفتگو ہوتی ہے، جو کاوشیں ہوتی ہیں، کوششیں ہوتی ہیں، مسلک اعلیٰ حضرت کی روشنی ہی میں ہوتی ہیں، الحمد للہ۔ اس لیے کہ وہی مسلک حق ہے۔ دار العلوم اشرفیہ کے جتنے عمائدین ہیں بالخصوص سربراہ اعلیٰ حضرت علامہ عزیز ملت صاحب شہزادۂ حضور حافظ ملت، اور عمدۃ المحققین حضرت علامہ محمد احمد مصباحی صاحب قبلہ اور محقق مسائل جدیدہ، سراج الفقہا حضرت مولانا مفتی محمد نظام الدین صاحب قبلہ ودیگر اساتذہ وعمائدین قابل مبارک باد ہیں۔ مولا تعالیٰ ان کی عمروں میں برکتیں عطا فرمائے، ان کے فیوض وبرکات کو تا دیر جاری فرمائے اور تمام عالم اسلام کو ان سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔

میرے اشتیاق کا عالم یہ ہے کہ میں نے آئندہ سال اپنے یہاں سمینار منعقد کرنے کی دعوت دے دی ہے۔ مجھے اگر سمینار پسند نہ ہوتا تو میں کیوں کوشش کرتا کہ ہمارے اندور میں سمینار منعقد ہو۔ ہندوستان میں اسلام جنوب سے آیا، سندھ کی طرف سے آیا اور لوگوں کو اسلام کی دولت نصیب ہوئی۔ لیکن مدھیہ پردیش میں جو سینٹرل انڈیا ہے، بہت دیر سے پہنچا۔ اس لیے دوسری جگہوں کے لحاظ سے ابھی وہ بہت پیچھے ہے۔ ہندی علاقہ بھی ہے اور وہاں علم کی روشنی کی بہت سخت ضرورت ہے۔ اتنا بڑا علمی قافلہ، یہ علمائے ملت اسلامیہ، مفتیانِ کرام، محققین اہل سنت وجماعت اگر وہاں تشریف لائیں گے تو مجھے امید ہی نہیں بلکہ یقین ہے کہ وہ علاقہ بھی منور اور تابناک ہو جائے گا۔ آپ حضرات نے دعوت قبول فرما کر بڑا کرم فرمایا۔ میں انتہائی شکر گزار ہوں، مولا تبارک وتعالیٰ ہمارے اس سلسلے کو رواں دواں، جاری وساری رکھے۔ آمین۔

استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

حضرت مولانا بدر القادری مصباحی، ہالینڈ

السلام علیکم ورحمة الله و بر کاته۔ بسم الله الرحمن الرحيم. قال النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم "العلم نور" صدق النبی صلی الله علیه وسلم۔

حضرات گرامی، اساتذۂ کرام، مفتیانِ عظام اور الجامعۃ الاشرفیہ کے خوش نصیب طلبہ مجلس شرعی کے سولھویں اجلاس میں ایک طالب علم کی حیثیت سے میں بھی شریک ہوا۔ میں اس کے لیے اپنے آپ کو نہایت خوش نصیب گردانتا ہوں۔ الجامعۃ الاشرفیہ ہمارا اعلیٰ مرکز ہے، حضور حافظ ملت کے خوابوں کی تعبیر ہے اور اہل سنت کی امیدوں کا چراغ ہے۔ مجلس شرعی یہاں پر قائم ہوئی، اس کے ذریعہ کام ہو رہا ہے اور ماشاء اللہ ایک دو نہیں درجنوں مسائل حل ہو چکے ہیں۔ ہمارے علمائے کرام اور حضور شارح بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہاتھوں یہ کام شروع ہوا اور آج حضرت مولانا مفتی محمد نظام الدین صاحب قبلہ کی نظامت میں چل رہا ہے۔ تمام علما اور اساتذہ کے روحِ رواں اور سرپرست خیر الاذکیا، محبِ گرامی، برادر مکرم حضرت مولانا محمد احمد مصباحی ہیں۔ نئے محققین کی یہ پود جنھوں نے تحقیق و تدقیق کے نئے دروازے کھولے، یہ صرف ہندستان کے لیے نہیں بلکہ ساری دنیا کو علم کی نئی تابانی عطا کرنے کے لیے ہے، اہل سنت کے درمیان ابھی علم والے موجود ہیں، شائقین علم موجود ہیں، محققین موجود ہیں، مدققین موجود ہیں۔ یہ دنیا کے اندر موجود چیلنج کے جواب کی بہترین ترکیب ہے۔ مجلس شرعی شروع ہونے سے پہلے اس کی کمی ہندستان میں تو محسوس کی ہی جا رہی تھی۔ دوسرے ملکوں خاص طور سے ترقی یافتہ ملکوں میں بہت زیادہ محسوس کی جا رہی تھی۔ ساری دنیا کے اندر جہاں علمی سمینار ہوتے ہیں اور باضابطگی کے ساتھ ہوتے ہیں، الحمد للہ فقیر کو متعدد مقامات پر حاضری کا موقع ملتا رہا اور مل رہا ہے۔ لیکن آپس میں بحث و تمحیص اور علم کی روح تک پہنچنے کا جو جذبہ ہم نے اپنے مصباحی علما کے اندر اور ان مجالس کے اندر پایا، الحمد للہ میں صدق دل سے یہ کہتا ہوں کہ عالم اسلام کے ان عالمی اجتماعات کے اندر بھی میں نے علم و تحقیق کی وہ رمق محسوس نہیں کی۔ میں نے ایسی کانفرنسوں میں بھی شرکت کی، ایسے مؤتمرات میں بھی شرکت کا موقع ملا جہاں علمی مباحث ہوتے ہیں۔ ایک ہی وقت میں ایک سو پچاسی ملکوں کے نمائندگان وہاں شریک ہوتے ہیں، علمی بحثیں ہوتی ہیں، باتیں ہوتی ہیں۔ یقیناً الجامعۃ الاشرفیہ کو یہ فخر حاصل ہے، یہ اعزاز حاصل ہے۔ اس سلسلے میں یہاں سے جو کام ہو رہا ہے وہ کتنا اہم ہے، کتنا بلند ہے اور کتنا عظیم ہے۔ کام تو ہو رہا ہے اور علم و تحقیق کا یہ کارواں، رواں دواں ہے۔ اب اس کام کو، جسے ہمارے یہ محققین کر رہے ہیں، دنیا کے گوشہ گوشہ تک پہنچانے کی بھی ضرورت ہے۔ یقیناً اب سب کام یہی لوگ کریں، یہ تو نہیں...... جوان کا کام ہو یہ کریں، بقیہ ہمیں میں سے ایسے فرزندانِ اشرفیہ پیدا ہوں جو ہمارے محققین کی ان قیمتی آرا کو، جو کہ ہیرے اور جواہرات سے بھی زیادہ قیمتی ہیں، دنیا کی نگاہوں کے سامنے پیش کریں اور کہیں کہ: اے علم کے جھوٹے دعوے دارو! تحقیق تم کیا جانو کسے کہتے ہیں۔ تحقیق سیکھنی ہے تو الجامعۃ الاشرفیہ کے ان اساتذہ کی بارگاہوں میں زانوئے تلمذ تہ کرو، پھر دیکھو تحقیق کیا چیز ہے۔

الحمد للہ یہ میرے سرکار حافظ ملت کی روحانیت کا فیض ہے اور تمام بزرگوں کی روحانیت کا فیض ہے۔ میں تو تمام مقامات پر یہ کہتا ہوں کہ: الجامعۃ الاشرفیہ دنیا کے اندر سرکار مخدوم اشرف جہاں گیر سمنانی کی سب سے بڑی کرامت ہے۔ مخدوم اشرف جہاں گیر سمنانی کی سب سے بڑی کرامت دنیا کے اندر کیا ہے؟ مجھ سے کسی نے پوچھا، میں نے کہا: کچھوچھہ شریف میں آستانۂ پاک ہے، ہزاروں کرامتیں دنیا جانتی ہے، ہزاروں لوگ بیان کرتے ہیں، سب سے بڑی کرامت الجامعۃ الاشرفیہ ہے اور یہ ایک کرامت ہزاروں کرامتوں پر بھاری ہے۔ سرکار حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یقیناً ان کے نقش قدم پر چل کر الجامعۃ الاشرفیہ کا قیام فرمایا اور ان کے مقاصد میں یہ تھا کہ وہ علم جسے اہل سنت و جماعت کے بزرگ عالم سیدنا اعلیٰ حضرت کے بعد لوگوں نے لکھنا ہی چھوڑ دیا تھا کہ 'بھیا' اس کے بعد اب پڑھنے کی ضرورت ہے لکھنے کی ضرورت کیا ہے؟ اعلیٰ حضرت نے اتنا لکھ دیا ہے کہ اس کو پڑھتے ہی رہو اب لکھنا ضروری نہیں ہے۔ لیکن کیا اعلیٰ حضرت کے لکھے ہوئے فتوؤں کو دنیا کے اندر پہنچانے کے لیے لکھنا ضروری نہیں ہے؟ ان کی تحقیقات کو دنیا کے اندر ہائی لائٹ کرنے کے

لیے لکھنا ضروری نہیں ہے؟ نہایت ضروری ہے اور وہ کام یعنی تحقیقات امام احمد رضا اور تحقیقات سلف کو دنیا کے اندر اس دور میں اتنے منظم انداز میں پیش کرنے کا سہرا الحمد للہ الجامعۃ الاشرفیہ کے سر ہے۔ میری خواہش ہے کہ یہ چیزیں اور زیادہ وسیع پیمانہ پر اور مستحکم انداز میں منظر عام پر لائی جائیں۔ دنیا کے مختلف اور انٹرنیشنل زبانوں میں یہ منتقل کیے جائیں، انٹرنیٹ اور دوسرے وسائل اعلام کے ذریعہ ان کو دنیا کے اندر پھیلایا جائے۔ سطحی کام کرنے والے مفسدین نے ان تمام وسائل اعلام کو گھیر رکھا ہے اور ہم جو کہ اصل کام کرنے والے ہیں اور ایسے قیمتی تحقیقات کہ ہیرے جواہرات سے تولے جانے کے لائق ہیں، چھپے رہیں؟ یہ علما، یہ بزرگ اور یہ نوجوان مفتیانِ کرام ہمارے سروں کا تاج ہیں، ہمارے لیے باعثِ فخر ہیں اور انشاء اللہ انھیں میں سے ایک دو نہیں سیکڑوں محققین پیدا ہوں گے اور یہ سلسلہ شاخ در شاخ پھیلتا جائے گا...... میں یہاں جب بھی آتا ہوں، یقیناً اپنے کو ایک طالب علم کی حیثیت سے پیش کرتا ہوں، یہاں کا طالب علم ہوں، یہاں کا طالب علم ہی رہوں گا اور یقیناً ان مفتیان کرام اور ان محققین کی بحثوں کو ایک نہایت ہی کم سمجھ والا طالب علم جس طریقہ سے بیٹھ کر غور سے سنتا ہے، ویسے میں بھی سنتا ہوں اور یقیناً میرا علم ہی کیا؟ اور میری تحقیق ہی کیا؟ اور میں کتنا جانتا ہوں؟ واللہ اعلم بالصواب۔

اس خوشی اور مسرت کا اظہار صرف یہاں آپ کے سامنے کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ الحمد للہ۔ دنیا کے بڑے بڑے اسٹیجوں پر سے جو آواز بلند ہو رہی ہے وہ آپ ہی کی آواز ہے، وہ آپ ہی کی صدا ہے۔ آپ کی زبانوں سے جو نکلتا ہے وہی چراغ لے کر افریقہ، امریکہ، یورپ، آسٹریلیا اور تمام براعظموں میں ہم چلتے ہیں۔ مصباحی برادران آگے بڑھتے جا رہے ہیں اور ان کے چراغ جل رہے ہیں اور چراغ سے چراغ جلتا جا رہا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ سرکار حافظ ملت کے مرقد پر کروڑہا کروڑ انوار کی بارش فرمائے۔ جس مرد درویش نے یہ خواب دیکھا اور ایک سنگلاخ زمین کو اللہ اکبر کندن بنا دیا۔

اے مبارک پور، اے رشکِ شعورِ علم و فن
دیکھتا ہے چشمِ حسرت سے تجھے چرخِ کہن

جب میں نے یہ شعر لکھا تھا اس وقت تو نہیں دیکھ رہا تھا لیکن اب ضرور دیکھ رہا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ سرکار حافظ ملت کے فیوض روحانی اور برکات سے ہمیں پورا پورا فیض لینے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہم علم بھی سیکھیں، ادب بھی سیکھیں، احترام بھی سیکھیں اور یہ تحقیق اور تدقیق کا قافلہ جو چلا ہے مزید اس قافلہ کے اندر آپ آتے جائیں اور شامل ہوتے جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو سرکار حافظ ملت کے فیضان سے پورا پورا حصہ لینے کی توفیق عطا فرمائے۔ السلام علیکم

حضرت مولانا مسعود احمد برکاتی، امریکہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ! معزز اساتذۂ کرام و مفتیانِ عظام! جامعہ اشرفیہ کا یہ فقہی سمینار دینیات سے متعلق نہ صرف ملکی مسائل بلکہ عالمی مسائل کے حل کے لیے منعقد ہوتا ہے۔ اس وقت پوری دنیا کی نگاہیں آپ حضرات کی طرف لگی ہوئی ہیں۔ اس لیے میری درخواست ہے کہ آپ نہ صرف مسئلہ بتائیں بلکہ اس کا کافی و شافی حل بھی تجویز کریں تاکہ سائلین خواہ ملک کے ہوں خواہ بیرون ملک کے، انھیں کہیں بھی اور کسی بھی طرح کی تشنگی نہ محسوس ہو۔ ساتھ ہی ساتھ اس بات کا بھی خیال ہو کہ اثنائے بحث و تمحیص کوئی مسئلہ انا کا مسئلہ نہ بنے۔ سنجیدگی و متانت کے ساتھ اور کمال خلوص کے ساتھ مسائل حل فرمائیں، اس سے نہ صرف شرح صدر ہوگا اور مسائل حل ہوں گے بلکہ بہت سے دینی و مسلکی مسائل کے حل کی راہیں بھی ہموار ہوں گی جن کی وجہ سے دارین کی سعادتوں سے ہم آپ شاد کام ہوں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ چوں کہ ہم نے جامعہ کا نمک کھایا ہے اس لیے اس کے عوض اگر زندگی بھر اس کی خدمت کریں تو کم ہے اور بہت کم ہے۔ خدائے تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں خدمت کی توفیق بخشی۔ گو کہ ہم کما حقہ آپ حضرات کی خدمت نہیں کر سکے۔ دعا فرمائیں کہ ہم مزید توفیقات سے بہرہ ور ہوں۔ اخیر میں عرض ہے کہ ہم اگر اخلاص کے ساتھ کام کریں، خواہ کوئی بھی کام کریں، کہیں بھی کریں تو اس سے نہ صرف دین و مسلک کا کام ہوتا ہے بلکہ عنایت ایزدی سے اپنا کام بھی ہو جاتا ہے۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ۔

حضرت مولانا مفتی عبدالمنان کلیمی ، مرادآباد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! محترم حضرات ومعزز علماے کرام وفرزندانِ اشرفیہ! بلاشبہ مجلس شرعی میں ہم لوگوں کی شرکت باعث سعادت ہے اور علم کے اضافے کا بہترین ذریعہ بھی۔ آج حضور حافظ ملت کی روح پرفتوح کس قدر مسرت وشادمانی محسوس فرمارہی ہوگی جس مقصد کے لیے آپ نے الجامعۃ الاشرفیہ کا قیام فرمایا، آج ہم اس خواب کی تعبیر اپنی نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں۔ حضور حافظ ملت کی ذات گرامی جہاں صاحب علم کی حیثیت سے، صاحب فکر وبصیرت کی حیثیت سے متعارف تھی وہیں آپ کی ذات نہایت ہی باعزم، باحوصلہ اور باہمت تھی۔ بڑے بڑے مسائل پیدا ہوئے، لیکن آپ کا سفر برابر جاری رہا۔ بلاشبہ ان کو فقیہ عصر، شارحِ بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ والرضوان کی شکل میں ایسا شاگرد ملا کہ جس کے ذریعہ الجامعۃ الاشرفیہ کے شعبۂ فکر وتحقیق اور فقہ وفتوی کو زبردست ترقی ملی۔ اس شعبہ کو ان کی ذات گرامی کی وجہ سے ہندستان وپاکستان ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں عدیم المثال حیثیت حاصل ہوئی اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ حضرت شارحِ بخاری کے بعد تین شخصیتیں ایسی ہیں جو الجامعۃ الاشرفیہ کے عالم گیر مقاصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچارہی ہیں، جس کو ہم ہی نہیں بلکہ ہندستان، پاکستان اور پوری دنیاے سنیت کے اربابِ علم ودانش اپنی نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں۔

میں اگر الجامعۃ الاشرفیہ یا مجلس شرعی کی تعریف کروں تو ظاہر ہے کہ ہم تو یہاں کے جاروب کش کی حیثیت رکھتے ہیں، خوشہ چیں کی حیثیت رکھتے ہیں، ہم فرزند ہیں، ہمیں تعریف تو کرنا ہی ہے۔ لیکن حقائق ومعارف کی روشنی میں میرا خیال ہے کہ مجلس شرعی نے بلاشبہ ایک عظیم الشان کارنامہ انجام دیا ہے۔ حضرت شارحِ بخاری کے بعد فاضل گرامی، فقیہ عصر، محقق مسائل جدیدہ حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین صاحب مصباحی۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں، ان کی صحت میں، ان کی سلامتی میں، ان کی ہمت میں، ان کے حوصلہ میں دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ انھوں نے اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چل کر حضور حافظ ملت اور حضرت شارحِ بخاری کے کاروانِ علم و تحقیق کو آگے بڑھایا اور اس طور پر کہ کہیں بھی خلا محسوس نہ ہونے دیا۔

اگر میں یہ کہوں کہ یہ صرف بدل ہی نہیں بلکہ آج کے دور کے تناظر میں الجامعۃ الاشرفیہ کے لیے اور جماعت اہل سنت کے لیے نعم البدل کی حیثیت رکھتے ہیں تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس میں کسی طرح کا کوئی مبالغہ نہیں ہے۔ آج صاحبانِ علم کی حیثیت سے، اربابِ فکر وبصیرت کی حیثیت سے اور ارباب علم ودانش کی حیثیت سے علم اور فن کے جس شعبہ میں اور جس میدان میں جائیے الجامعۃ الاشرفیہ کے فرزندان کی نمایاں حیثیت ملتی ہے اور بلاشبہ اس قافلۂ علم کو آگے بڑھانے میں صدر العلما حضرت علامہ محمد احمد صاحب مصباحی کا بھی زبردست رول ہے، جن کو جس لفظ میں اور جس انداز میں بہتر سے بہتر خراج عقیدت ومحبت پیش کیا جائے وہ کم ہے اور ان تمام حقائق کے پیشِ نظر میں یہ کہوں گا کہ جو الجامعۃ الاشرفیہ کے قائد، روح رواں، سربراہ اور عظیم رہ بر ہیں، وہ ہیں شہزادۂ حضور حافظ ملت حضرت علامہ عبدالحفیظ صاحب مدظلہ العالی سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور۔ یقیناً وہ حضور حافظ ملت کے فکر وعمل کی مکمل تصویر ہیں۔ الجامعۃ الاشرفیہ کا جو معیار حضور حافظ ملت قدس سرہ کے دور میں تھا، آج ان کی قیادت ورہ نمائی میں وہ نہ صرف باقی ہے بلکہ دن بہ دن اعلیٰ ہوتا جارہا ہے۔ یہاں کے فرزندوں کو اپنے بارے میں بہت علم نہیں ہوگا لیکن ہم ہندستان کے شہر شہر، نگر نگر اور قریہ قریہ کا دورہ کرتے رہتے ہیں۔ ماشاء اللہ۔ ہر میدان میں فرزندان اشرفیہ آفتاب علم اور ماہ تاب فن کی حیثیت سے چمکتے ہیں، لیکن جدو جہد اور کد وکاوش کو کہیں روکنے کی ضرورت نہیں بلکہ بڑھیے، خوب بڑھیے۔

میں خاص طور سے یہاں کے طلبہ پر واضح کرنا چاہتا ہوں کہ ہم نے اگرچہ تیس سال پہلے یہاں سے فراغت حاصل کی ہے۔ لیکن یہاں آنے کے بعد میں اپنے آپ کو ایک شاگرد، طفل مکتب اور متعلم ہی سمجھتا ہوں اور کچھ نہ کچھ یہاں سے لے کر جاتا ہوں۔ لہذا آپ حضرات بڑے خوش نصیب ہیں کہ آپ کو الجامعۃ الاشرفیہ کا یہ حسین ماحول ملا۔ حضور حافظ ملت قدس سرہ کی روحانیت ملی، عزیز ملت کی سربراہی ملی، علامہ مفتی محمد نظام الدین صاحب مصباحی کی فقاہت ملی اور حضرت علامہ محمد احمد صاحب مصباحی کی صدارت ملی۔

تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ فکر ہو، سیاست ہو، علم ہو، تحقیق ہو، تدقیق ہو، الغرض کوئی بھی میدان ہو ہر میدان میں الجامعۃ الاشرفیہ کے فرزند قدیم، جدید، معمر، نوجوان سب کے سب بے مثال نظر آتے ہیں۔ لہذا ہم یہاں کے طلبہ کو بھی اپنے دل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتے ہیں اور اساتذہ کو بھی۔

محترم حضرات! مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ کا ایک شعبہ ہے۔ جس کی ضرورت سب سے پہلے حضور شارحِ بخاری نے محسوس کی اور انھوں نے اس کے لیے ایک ٹیم بنائی، جس کے آپ حضرات ارکان واعوان کی حیثیت رکھتے ہیں، پھر اس کے بعد اور بھی کئی مجلس شرعی بنی، لیکن اس مجلس شرعی کو اولیت اور افضلیت حاصل ہے۔ میں نے یہاں علامہ مفتی نظام الدین صاحب کو دیکھا کہ انھوں اپنے ہر محقق کو، ہر صاحب قلم کو، ہر مفتی کو آزادنہ طور پر اپنی راے پیش کرنے کی دعوت دی اور کسی بھی مرحلہ میں اپنی راے تھوپنے کی کوشش نہیں کی۔ ہماری تمام ترنیک تمنائیں اور دعائیں مجلس شرعی کے ساتھ ہیں، اور میں جس لائق ہوں اس خدمت کے لیے حاضر ہوں۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

حضرت مولانا رضاء الحق مصباحی اشرفی ، کچھوچھہ شریف

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مادرِ علمی الجامعۃ الاشرفیہ کا یہ سولھواں فقہی سمینار الحمد للہ بہت کامیاب رہا۔ اس سمینار سے پہلے مجھے مختلف موضوعات پر مقالے لکھنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے اور میں نے اپنے مقالے یہاں بھیجے ہیں۔ لیکن سمینار میں شرکت کی سعادت مندی، فیروز بختی اور مسرت پہلی بار حاصل ہوئی ہے۔ مجھے کتنی مسرت حاصل ہوئی اور میرے دلی جذبات کیا ہیں؟ میرے تاثرات کیا ہیں؟ میں الفاظ میں اپنے تاثرات کو، اپنی مسرتوں کو، اپنے جذبات کو پیش کرنے سے عاجز ہوں۔ انسان کے جذبات جب بہت زیادہ ہوتے ہیں، مسرتیں بہت زیادہ ہوتی ہیں تو الفاظ ساتھ نہیں دے پاتے۔ الحمد للہ اپنے اساتذہ کی نگرانی میں، ان کی سرپرستی میں اس فقہی سمینار میں مجھے بہت کچھ حاصل کرنے کا موقع ملا۔ علماے کرام، نوجوان محققین اور مفتیانِ کرام کی باہمی بحث وتمحیص سے جو نئے نئے گوشے سامنے آئے ہیں، دار الافتا میں فتویٰ لکھتے وقت وہ گوشے نظروں سے اوجھل تھے۔ میرا خیال ہے کہ اور مندوبین کے ساتھ بھی ضرور یہی کچھ ہوتا ہے۔ الحمد للہ مجھے بہت ہی مسرت ہے، خوشی ہے کہ مجھے میرے مشفق اساتذہ نے الجامعۃ الاشرفیہ کے ادنیٰ فرزند ہونے کے باوجود یاد فرمایا، خدمت کا موقع عنایت فرمایا، اس کے لیے میں اپنے اساتذہ کا تہ دل سے مشکور ہوں اور ان حضرات کی بارگاہوں میں گزارش کرتا ہوں کہ وہ ہمارے لیے دعائیں فرمائیں کہ ہمارا یہ قافلہ، یہ علمی تحقیقی قافلہ یوں ہی رواں دواں رہے اور الجامعۃ الاشرفیہ کے لیے علمی، دینی خدمات پیش کرنے کا اللہ تبارک وتعالیٰ موقع عطا فرماتا رہے۔ الجامعۃ الاشرفیہ دن دونی رات چوگنی ترقی کرتا رہے اور ہم فرزندوں کو الجامعۃ الاشرفیہ کے تعلق سے اپنا خلوص، اپنی ہم دردی اور اپنے جذبہ کو پیش کرنے کی سعادت اور توفیق عطا فرمائے۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

حضرت مولانا قاضی شہید عالم ، بریلی شریف

مجلس شرعی کے زیر اہتمام فقہی سمینار کا یہ آخری اجلاس ہے اور تمام نشستوں میں شرکت کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ الحمد للہ۔ اس سمینار کی نشستوں میں شرکت کرنے کی برکتیں اپنے اندر بہت زیادہ محسوس کررہا ہوں اور نوجوان علماے کرام کے اندر بھی یہ مشاہدہ کر رہا ہوں۔ پہلے کسی بھی مسئلہ کی تلاش میں نہایت دشواری کا سامنا ہوتا تھا اور بہت وقت لگتا تھا، سوچتے تھے کہ کہاں دیکھیں، کیسے تلاش کریں، مگر الحمد للہ سمیناروں میں شرکت کرنے کے بعد اور اپنے اساتذۂ گرامی کی زیر سرپرستی کچھ کہنے اور سننے کا موقع ملنے کے بعد اب الحمد للہ اس راستے میں جو رکاوٹیں تھیں کافی حد تک دور ہوگئی ہیں اور میں محسوس کررہا ہوں کہ اگر یہ سلسلہ جاری رہا تو ہم لوگوں کو مزید آگے بڑھنے کا موقع ملے گا۔

منظومات

آؤ دعا کریں

فتنوں کا کاروبار ہے، آؤ دعا کریں
ہر سو اک انتشار ہے، آؤ دعا کریں

تہذیب رکھ رکھاؤ اور آدابِ بندگی
نسلوں پہ جیسے بار ہے، آؤ دعا کریں

موجِ نسیم، بادِ صبا کے لیے بھی اب
ہر پھول جیسے خار ہے، آؤ دعا کریں

اک حق پرست عام نگاہوں میں اِن دنوں
جیسے گناہ گار ہے، آؤ دعا کریں

ہر ہر قدم پہ گلیوں میں اور شاہ راہ پر
تہذیب شرم سار ہے، آؤ دعا کریں

اکثر خطیبِ شہر کا ارشادِ عالیہ
لفظوں کا اک حصار ہے، آؤ دعا کریں

افسوس صرف لقمۂ تر کی ہوس میں آج
انساں ذلیل و خوار ہے، آؤ دعا کریں

مال و متاع، جاہ و حشم کا بس اک جنوں
اعصاب پر سوار ہے، آؤ دعا کریں

اپنا ضمیر بیچنے والا وہ آج کل
لوگوں میں ذی وقار ہے، آؤ دعا کریں

دھرتی پہ رہ کے کرتے ہیں بات آسمان کی
یوں زیست سے فرار ہے، آؤ دعا کریں

مکر و فریب اور ریا کاریوں کا شغل
اب وجہِ افتخار ہے، آؤ دعا کریں

اللہ رے حقوق و فرائض کا ہر عمل
اک دوسرے پہ بار ہے، آؤ دعا کریں

فاخرؔ، انا کی پیاس بجھانے کے واسطے
ہر شخص بے قرار ہے، آؤ دعا کریں

فاخر جلال پوری، جلال پور، امبیڈکر نگر

نعت رسول ﷺ

کون لے آئے جمالِ رخِ سرور کا جواب
جب کہ ہے خاکِ کفِ پا مہ و اختر کا جواب

اُس چمن زار کے گل بوٹوں کی زیبائی نہ پوچھ
جس چمن زار کانٹے ہیں گلِ تر کا جواب

درِ سرور کی گدائی میں ہیں دونوں عالم
کسی عالم میں نہیں ہے مرے سرور کا جواب

رب نے فرما دیا قرآن میں واللیل اذا
یعنی ممکن نہیں گیسوے پیمبر کا جواب

اُن کے پیاسوں کو ملے چشمۂ الطاف و کرم
ایک چشمہ ہے وہی سارے سمندر کا جواب

ظلم یوں مٹ گیا جیسے کوئی پانی کی لکیر
خنجرِ غمزہ ہوا غمزۂ خنجر کا جواب

مسکرانے لگے محبوبِ خدا سن کے سوال
مشتِ بوجہل سے آنے لگا کنکر کا جواب

جہل پروردہ بشر کو تھا فصاحت پہ غرور
وہ مگر لا نہ سکا سورۂ کوثر کا جواب

بخش دے فتح کے موقع پہ جو خونِ حمزہ
کہاں کونین میں اُس لطفِ مکرر کا جواب

کیوں کہیں اُن کے پسینے کو پسینہ ہم لوگ
کوئی خوشبو نہیں اُس آبِ معطر کا جواب

کیوں نہ مہتابؔ انھیں رحمتِ عالم کہیے
وہ دعاؤں سے دیا کرتے ہیں پتھر کا جواب

مہتاب پیامی

صدائے بازگشت

یہ کالم ایک "صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے"۔ اس کے تحت علمی، فکری، تنقیدی اور تجزیاتی مراسلات کو ترجیح دی جائے گی

خلد بریں مکانی شکیل احمد

واجب الاحترام حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی صاحب
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے آپ مع الخیر ہوں گے۔ آج فقیر نے ماہ نامہ اشرفیہ میں فون کیا تو معلوم ہوا کہ 10؍جنوری 2009ء کو نائب مدیر مولانا شکیل احمد مصباحی صاحب انتقال کرگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

غالباً اسی دن ان کا فون آیا تھا ایک ادبی مضمون کے لیے، جسے ان کی فرمائش پر فقیر نے دو یوم بعد روانہ بھی کر دیا تھا۔ محترم شکیل احمد مصباحی جیسے جوان العمر عالم دین اور قلم کار وصحافی کی اس اچانک موت کی خبر سن کر واقعی صدمہ ہوا، سوا صبر کے چارہ ہی کیا ہے۔ رب غفور مرحوم کی مغفرت فرمائے اور ان کے گھر والوں کو صبر جمیل کی توفیق دے، آمین۔

(مادۂ تاریخ وفات۔ ''خلد بریں مکانی شکیل احمد'' 1430ھ)

مرحوم کے سوگواروں میں برابر کا شریک۔

(ڈاکٹر) **عبدالنعیم عزیزی**۔104-جسولی، بریلی شریف

بڑے ملنسار و منکسر المزاج انسان تھے

فخر صحافت مفکر اسلام حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی مدظلہ
سلام مسنون

یہ کوئی 1995ء یا 1996ء کی بات ہوگی کہ جب میرے اندر کچھ لکھنے کا شعور بیدار ہوا، انگلیاں قرطاس وقلم سے آشنا ہوئیں، مافی الضمیر وواردات قلب کے اظہار وترسیل کی خاطر ایک نئی راہ سے دیدہ ودل ہم کنار ہوئے۔ شروعات مراسلات واخبار نویسی سے ہوئی اور کامیابی سے سرخرو ہونے پر یہ سلسلہ زلف یار طرح دار کی طرح دراز ہوتا چلا گیا۔ ریاض ومشق کے ان خوش گوار ایام میں آپ کے درخت تک کئی بار پہنچنا ہوا تھا۔ ہر دفعہ کوئی چھوٹی یا بڑی ناہموار تحریر لے کر حاضر ہوتا اور بڑی سماجت واصرار سے عرض کرتا کہ اسے بھی شامل اشاعت کرلیں۔ لیکن ردعمل کے طور پر آپ کی نصیحت ہوتی کہ اپنے مضامین کے لیے ''اشرفیہ'' جیسے بین الاقوامی واعلیٰ معیار کے مجلّہ کو مشق ستم نہ بناؤ بلکہ دیگر معاصر اور نسبتاً کم معیاری رسائل وجرائد وغیرہ میں اپنی تحریریں شائع کروانے کی سعی کرو۔ چناں چہ میں آپ کے اس بلیغ ودور رس مشورے پر عمل پیرا رہا۔ یہاں تک کہ وہ وقت بھی آیا جب میرے مقالے اشرفیہ کے گراں قدر صفحات میں لائق شمولیت ٹھہرے اور ادھر پانچ چھ برس کے دوران تقریباً ایک درجن رشحاتِ فکر اشرفیہ میں منظرِ عام پر آئے۔

2007ء اوائل ماہ اگست کی بات ہے جب میں مہنداول، خلیل آباد، بستی وگورکھپور ہوتا ہوا مادر علمی ''الجامعۃ الاشرفیہ'' وارد ہوا اور بس اڈہ سے براہ راست دفتر ''ماہ نامہ اشرفیہ'' پہنچا۔ یہاں دیرینہ رفیق وہم درس مولانا عبدالصمد مصباحی نائب مدیر تو نہ ملے مگر موجودہ نائب مدیر مولانا شکیل احمد مصباحی ضرور پرتپاک انداز میں خیر مقدم کرتے نظر آئے۔ اثنائے ملاقات میں نے انھیں اشاعت کی خاطر ایک تحریر دی اور پھر ملی وجماعتی مسائل وامور پر دیر تک گفتگو کی۔ مخاطبت کے دوران انھوں نے جہاں میری قلمی کاوشوں کو سراہا وتحسین فرمائی وہیں حکم بھی دیا کہ آپ فرسودہ وپامال موضوعات پر لکھنے کے بجائے جدید ناگزیر مباحث ومسائل کی جانب اپنی عنان توجہ مرکوز رکھنے کی جہد پیہم کریں۔ ہم جیسے کندۂ ناتراش کے حق میں ان کا یہ حکم نامہ کیا معنویت وافادیت رکھتا ہے؟ یہ تو ایک الگ موضوع بحث ہے۔ مگر اس ایک مجلس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہ ہوا کہ محبّ مکرم حضرت مولانا شکیل احمد مصباحی اپنے آئینۂ وجود میں جہاں گوناگوں نیک وصالح خصائص وخصائل کے حامل ہیں وہیں اپنے اقران وامثال کی دل دہی وپذیرائی اور حوصلہ افزائی میں انمول انسان ہیں۔ سنا ہے کہ مولانا منصبی فرائض کی ادائیگی اور ذمہ داریوں کی انجام دہی میں بہت متین وسنجیدہ اور جہد کناں واقع ہوئے تھے۔ کیسی ہی ذاتی ضرورت واہم حاجت کی گھڑی آپڑے، وہ پورے استقلال وانہماک کے ساتھ مجلّہ اشرفیہ ہی کی مصروفیات میں غلطاں وپیچاں دیکھے جاتے تھے۔

اب جب کہ وہ ہمیں چھوڑ کر دائمی سفر پر روانہ ہو چکے ہیں،

حافظے میں ان کی یادوں کا تلاطم غم والم کی عجیب وغریب کیفیتوں سے دوچار کرتا محسوس ہوتا ہے۔ شاید صحیح کہا گیا ہے: ''یادِ ماضی عذاب ہے یا رب''۔ 12 جنوری 2009ء کی شب جب معروف صاحب قلم حضرت ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی سے فون پر رابطہ ہوا تو ان سے اس حادثۂ جاں کاہ کی خبر ملی۔ واقعہ کی تصدیق وتفصیل کے لیے آپ کو فون کیا، تو آپ نے ٹوٹے ہوئے دل اور شکستہ زبان میں اس کی روداد سنائی۔ چناں چہ جب صبح ہوئی تو میں نے مدرسہ سطح پر بین الطلبہ قرآن خوانی کا اہتمام کیا اور مولانا کی روح پرفتوح کو ایصال ثواب کیا گیا۔ بارگاہ غفور رحیم میں دست بدعا ہوں کہ انھیں کروٹ کروٹ جنت نصیب ہو اور پس ماندگان ووابستگان کو صبر جمیل بھی۔ اسیر غم

خواجہ ساجد عالم مصباحی، استاذ مدرسہ لطیفیہ رحمٰن پور، کٹیہار

اداریے کے نکات چونکا دینے والے ہیں

مدیر ماہ نامہ اشرفیہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ناچیز راقم الحروف کے پیش نظر اس وقت الجامعۃ الاشرفیہ کے ترجمان ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور کا ایک شمارہ بابت ماہ فروری 2009ء ہے جو اپنے اندر گونا گوں افادیت کے پہلو رکھتا ہے۔ اس شمارے کے سبھی مضامین پسندیدہ ہیں۔ خاص طور سے اس کا اداریہ بعنوان ''ہندستان میں دہشت گردی کا ذمہ دار کون'' بہت پسند آیا۔ مضمون معلوماتی بھی ہے اور فکر انگیز بھی۔ سچ پوچھیے تو دہشت گردی کے معاملے میں نہ امریکہ مخلص ہے نہ ہی اس کے حلیف ممالک، ورنہ کیا وجہ ہے کہ مسلمان محض شک اور شبہے کا بہانہ بنا کر گرفتار کیے جا رہے ہیں اور مارے بھی جا رہے ہیں۔ اسرائیل اور امریکہ کے اشارے پر اب ہندستان کے فرقہ پرست بھی دہشت گردی کے دلدل میں بری طرح پھنستے نظر آرہے ہیں۔ لیکن تعجب ہے کہ دہشت گردانہ کارروائیوں میں ملوث افراد کو حکومت پوری چھوٹ دے رہی ہے۔ جس کے منہ میں جو آتا ہے، بک دیتا ہے۔ لیکن حکومت ہے کہ کان دھرنے کو بھی تیار نہیں ہے اور سارا بخار مسلمانوں پر اتارا جا رہا ہے۔ ان حالات میں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے، یہ بڑا اہم مسئلہ ہے۔ ان حالات کے پیش نظر اداریے میں جو نکات پیش کیے گئے وہ بہت چونکا دینے والے ہیں۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ حکومت فرقہ پرستوں پر کڑی نظر رکھے۔

فتنۂ قادیانیت کے تحت دو حضرات نے قلم اٹھایا ہے اور اس گوشہ کو قوم کے سامنے رکھا ہے کہ یہ وقت کا بہت بڑا فتنہ ہے، لیکن اس کے قرار واقعی سد باب کے لیے جتنی کوششیں کرنی چاہئیں ہم نہیں کر پا رہے ہیں۔ امید کہ ان مضامین سے کچھ تحریک پیدا ہوگی۔ نئی نسل کی قادیانیت سے آگاہی بہت ضروری ہے۔ آج کل زیادہ تر بالکل جاہل لوگ قادیانیت کے شکار ہوتے ہیں یا پھر وہ پڑھے لکھے جو صرف دنیاوی علوم سے شغف رکھتے ہیں اور دین کے ضروری علم سے کورے ہیں۔ لہٰذا اس فتنے کو دفن کرنے کے لیے علما نے جو کتابیں لکھی ہیں ان کو زیادہ سے زیادہ عام کیا جائے۔ تقاریر میں بھی علما اس موضوع پر بیان کی زحمت کریں۔ ہندی انگریزی اور دوسری علاقائی زبانوں میں بھی قادیانیت کے سد باب کے لیے لٹریچر شائع کیے جائیں۔

تحقیقی نقطۂ نظر کے تحت مولانا کوثر امام صاحب کا مضمون ''علوم حدیث میں امام ابو حنیفہ کا مسلک'' نظر سے گزرا۔ مولانا مسلسل علوم حدیث پر مختلف زاویے سے لکھ رہے ہیں اور خوب لکھتے ہیں۔ مولانا سے گزارش ہے کہ وہ حوالوں میں مصنفین کے نام اور اشاعت کی نشان دہی بھی کریں، مضمون کا وقار اور بلند ہو جائے گا۔

اسلامی بینک کاری پر مولانا مفتی نظام الدین رضوی کا مضمون وقت کے اہم تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔ محمد سراج الدین شریفی کا اسلام، امریکہ ویورپ میں تیزی سے پھیلنے سے متعلق مضمون اپنی جگہ ایک لمحۂ فکریہ ہے۔ یہ خبریں بالکل بے بنیاد نہیں ہیں۔

ماہ دسمبر 2008ء میں مولانا ادریس بستوی صاحب کا اداریہ بڑا فکر انگیز اور مبنی بر حقیقت ہے۔ انھوں نے اس بات پر زور دیا ہے کہ اصل خرابی یہ ہے کہ مسلم حکمراں متحد نہیں ہیں؛ اگر سب کیا کچھ بھی متحد ہو جائیں تو دنیا کا نقشہ بدل سکتے ہیں۔ ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی کا مضمون بھی بڑا اہم ہے۔ جس پر مدارس کے ارباب حل وعقد کو پوری توجہ دینی چاہیے، تصوف کے بغیر روحانیت پیدا ہونا آسان نہیں ہے۔

ہندستان میں صوفیا کی تاریخ بہت قدیم ہے، لیکن بغداد مرکز روحانیت سے براہ راست نسبی وروحانی رابطہ رکھنے والے سب سے پہلے بزرگ جو ہندستان آئے ان کو حضرت سیدنا محمد بغدادی رضی اللہ عنہ کے نام سے جانا جاتا ہے، جو 25/رمضان المبارک 815ھ میں پیدا ہوئے اور یکم ربیع الاول شریف 940ھ میں ہندستان تشریف لائے اور اُجھر شریف کو جائے قیام بنایا، پھر وہیں

سے روحانیت کا چشمہ جاری کیا۔ آج بھی وہ خانقاہ آباد ہے اور وہاں سے روحانیت کے جام تقسیم کیے جا رہے ہیں۔ خانوادہ کے چشم وچراغ حضرت مولانا سید اصغر امام قادری صاحب پرنسپل جامعہ فاروقیہ بنارس جو میرے محبین ومخلصین میں ہیں، ان کے عزیز صاحب زادہ مولوی سید احمد القادری سلمہ کا ایک مضمون ماہ نامہ اشرفیہ میں میری نظر سے گزرا جو حضرت سیدنا جیسی جلیل القدر ہستی کے احوال وکرامات سے واقف کراتا ہے۔ عبد المبین نعمانی

المجمع الاسلامی، ملت نگر، مبارک پور

اداریہ پڑھ کر دل باغ باغ ہو گیا

مکرمی حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب قبلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بقول سابق وزیر خارجہ یشونت سنہا، ہمارا ملک بارود کے ڈھیر پر پڑا ہے۔ آج کے اس پرفتن دور میں جس کے پاس زیادہ طاقت ہوتی ہے وہ کمزوروں کو دباتا ہے۔ ہمارے ملک کی حکومت مسلمانوں پر ظلم ڈھا رہی ہے۔ انڈیا نیوز کے ایک صحافی نے مجھ سے کہا کہ آج کے اس پرآشوب دور میں حکومت کے خلاف لکھنے کی بہت کم لوگوں کی ہمت ہے۔ لیکن میں محب گرامی حضرت مولانا مبارک حسین صاحب کی صحافت کو سلام کرتا ہوں کہ انھوں نے حکومت ہند کی مسلم مخالف پالیسیوں کی مذمت کی۔ فروری 2009ء کا اداریہ پڑھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ حضرت نے بغیر خوف وخطر حکومت کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ سیکولر پولیس افسر ہیمنت کرکرے کے قتل پر کئی اہم سوالات اٹھائے ہیں۔ مضمون بہت ہی معلوماتی ہے، انداز تحریر سنجیدہ ہے اور فکر انگیز ہے اور ہم مسلمانوں کو متحد ہونے کی دعوت دیتا ہے۔

میرے عزیز سید پیرزادہ سید احمد القادری کا مضمون ماہ نامہ اشرفیہ دسمبر 2008ء میں شائع ہوا۔ مضمون بہت ہی عمدہ ہے۔ حضرت سرکار سید الہند سیدنا رضی اللہ عنہ جو کہ بغداد سے ہندستان میں سلسلۂ قادریہ کو لانے والے سب سے پہلے بزرگ ہیں۔ **محمد عارف قادری**، جامعہ ازہر، قاہرہ، مصر

ربِّ کریم اُن کے اماثل پیدا فرمائے

برادرِ گرامی، رئیس الصحافت والنشر حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب ایڈیٹر اشرفیہ مبارک پور، ہدیۂ سلام وخلوص۔

مزاج ہمایوں! تلمیذ حافظ ملت، بقیۃ السلف حضرت علامہ ممتاز احمد اعظمی صاحب قبلہ مقیم بریڈفورڈ برطانیہ کے ذریعہ سے نوجوان عالم دین باصلاحیت قلم کار اور ماہ نامہ اشرفیہ کے نائب مدیر حضرت مولانا شکیل احمد مصباحی کے اچانک انتقال کی خبر وحشت اثر مسموع ہوئی۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) بے حد افسوس اور قلبی صدمہ گزرا۔ اللہ جل شانہ ان کے اہل خانہ اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔ ابھی تو انھیں زندگی کی بہت ساری رعنائیاں اور علم وفن کی نہ معلوم کتنی بہاریں دیکھنی تھیں۔ اتنی جلد وہ ہم سے رخصت ہو جائیں گے، یقین نہیں آتا۔ مگر مشیت خداوندی برحق ہے۔ اس کی حکمت وارادت میں کسی کو دخل نہیں۔ وہ جب بھی چاہے گا ہم اس کی بارگاہ میں لبیک کہتے ہوئے حاضر ہو جائیں گے۔ مولانا مرحوم سے وقتاً فوقتاً یہاں لندن سے فون پر اشرفیہ اور ماہ نامہ اشرفیہ سے متعلق بات ہو جایا کرتی تھی۔ ابھی جب میں دسمبر 2008ء کے آخری عشرے میں حج بیت اللہ سے واپس ہوا ہوں تب بھی ان سے تفصیلی بات ہوئی تھی۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ مجھ سے ان کی آخری گفتگو ہوگی۔ ان کا اچانک اٹھ جانا بلاشبہہ ماہ نامہ اشرفیہ کا ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔ کام کے لیے کسی مخلص اور دردمند آدمی کا حصول عصر حاضر کی مصلحت پسندیوں میں ایک دشوار گزار مرحلہ ہے۔ مولانا کی بروقت کمی کا ہمیں بے حد احساس رہے گا۔ وہ اس وقت ہم سب سے جدا ہو گئے جس وقت ان کی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔ دعا ہے کہ رب کریم ہم میں ان کے اماثل پیدا فرمائے اور اس شہید عشق ومحبت کی قبر پاک پر رحمتوں کے پھول برسائے۔ آمین۔ میں آپ کے اس غم میں برابر کا شریک ہوں۔ ادھر تقریباً ایک سال سے ماہ نامہ اشرفیہ وصولیاب نہیں ہو رہا ہے اور میں اس کی زیارت سے محروم ہوں۔ وہاں دفتری امور کے ذمہ دار حضرات سے معلوم کیجیے کہ آخر وجہ کیا ہے۔ جب کہ ہند وپاک کے دوسرے جرائد ومجلّات باضابطہ تسلسل کے ساتھ موصول ہو رہے ہیں۔ بقیہ حالات اچھے ہیں۔ حضرت عزیز ملت صاحب قبلہ شیخ الحدیث حضرت علامہ مفتی عبد الشکور صاحب قبلہ اور دیگر اساتذہ سے سلام کہہ دیں۔ فقط والسلام

محمد فروغ القادری، ورلڈ اسلامک مشن انگلینڈ

خیر و خبر

مدنی چینل کے آغاز پر

شہزادۂ صدرالشریعہ کی مبارک باد

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا سینہ جہاں عشق رسول کا مدینہ تھا وہیں تقویٰ و پرہیز گاری اور خوفِ خدا وندی سے بھی لبریز تھا۔ ان جامع خیالات کا اظہار تبلیغ قرآن وسنت کی عالم گیر تحریک دعوت اسلامی کی جانب سے قیصر باغ ہال ڈونگری ممبئی میں عظیم الشان پیمانے پر منائے جارہے عرس امام اہل سنت میں مبلغ دعوت اسلامی نے کیا۔

مبلغ دعوت اسلامی نے مزید فرمایا کہ موجودہ دور میں شیخ طریقت حضرت علامہ محمد الیاس عطار قادری رضوی دامت برکاتہم نے بھی مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج واشاعت اور اعلیٰ حضرت کی تعلیمات کو عام کرنے کا عزم مصمم کیا اور اس کے لیے عملی کوشش شروع کی تو اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے صدقے وہ کامیابی عطا فرمائی کہ مختصر عرصہ میں دعوت اسلامی دنیا کے 66 ممالک میں اپنا پیغام پہنچا چکی ہے اور مزید آگے سفر جاری ہے۔

کنز الایمان شریف کے صد سالہ جشن کی خوشی میں اسے عام کرنے کے جذبہ کے تحت صرف پچاس روپے ہدیہ پر اسے دینے کا اعلان کیا گیا۔

مبلغ دعوت اسلامی نے دعوت اسلامی کے مدنی چینل کی حمایت میں شہزادۂ صدر الشریعہ حضرت علامہ مفتی حافظ وقاری رضاء المصطفیٰ دامت برکاتہم العالیہ کا مکتوب پڑھ کر سنایا جس میں علامہ رضاء المصطفیٰ دامت برکاتہم العالیہ نے مدنی چینل کے آغاز پر امیر اہل سنت اور تحریک دعوت اسلامی کو مبارک باد پیش فرمائی او دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ مدنی چینل کی برکتوں سے فیشن پرستوں کو پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری پیاری سنتوں اور اداؤں کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔

صلاۃ وسلام اور دعا پر اس روحانی ونورانی عرس رضا کے اجتماع ذکر و نعت کا اختتام ہوا۔

از: مبلغِ دعوت اسلامی، ممبئی

عرس قائد اہل سنت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ

مورخہ 9/10/11 رفروری 2009 کو شہرۂ آفاق عالم دین قائد اہل سنت حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کے عرس ہفتم کے موقع پر نعت و قراءت، تحریر وتقریر کا انعامی مقابلہ، طرحی نعتیہ مشاعرہ اور جلسۂ دستار بندی کا انعقاد کیا گیا۔ انعامی مقابلوں میں جھارکھنڈ، بہار، بنگال، اڑیسہ کے علاوہ یوپی کے مدارس سے بھی کافی تعداد میں طلبہ نے شرکت کی۔ انعام یافتگان طلبہ کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

مقابلۂ تحریر: اول: محمد طفیل احمد، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، یوپی، دوم: عبد الباسط، مرکزی دار القراءت جمشید پور، سوم: محمد فیضان رضوی، مدرسہ غوثیہ رؤفیہ، دھام نگر، بھدرک اڑیسہ۔

مقابلۂ تقریر: اول: محمد غلام غوث چنچانی، دار العلوم اہل سنت شمس العلوم، گھوسی، مئو۔ دوم: محمد شفاء اللہ، مدرسہ فیض العلوم، جمشید پور۔ سوم: محمد شرجیل سنابلی، دار العلوم غوثیہ نظامیہ، ذاکر نگر، جمشید پور

مقابلۂ نعت: اول: محمد ندیم رضا، مدرسہ فیض العلوم جمشید پور، دوم: محمد شہنواز علی دار العلوم مجاہد ملت دھام نگر بھدرک، اڑیسہ۔ سوم: جمشید رضا، مدرسہ اصلاح المسلمین، جگسلائی، جمشید پور۔

مقابلۂ قراءت: اول: محمد آفتاب عالم، مرکزی دار القراءت جمشید پور، دوم: طارق علی، جامعہ حبیبیہ نجم العلوم جاجپور، اڑیسہ۔ سوم: محمد ممتاز عالم، مدرسہ دار السلام آزاد نگر، جمشید پور اور عبد الرحمٰن اسلامی مرکز ہند پیڑھی، رانچی۔ اس موقع پر علامہ ارشد القادری چیریٹیز انٹرنیشنل کی طرف سے محقق مسائل جدیدہ حضرت مفتی نظام الدین صاحب کو اس سال کا قائد اہل سنت ایوارڈ اور سراج الفقہا کے تکریمی خطاب سے نوازا گیا اور ڈاکٹر مولانا غلام زرقانی مہتمم ادارہ کی طرف سے سپاس نامہ پیش کیا گیا جسے مولانا مفتی صلاح الدین نظامی نے پڑھ کر سنایا۔ اس سال 96 علما، حفاظ وقرا کی دستار بندی کا پر کیف نظارہ حاضرین نے ملاحظہ فرمایا۔ شہزادۂ حافظ ملت عزیز ملت حضرت مولانا عبد الحفیظ صاحب سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ کی رقت انگیز دعاؤں پر جلسہ اختتام پذیر ہوا۔

از: نصیر احمد قادری مصباحی

عرسِ فقیہ اعظم ہند

یکم و 2 رفروری 2009 کو فقیہ اعظم ہند شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کا 9 واں سالانہ عرس انتہائی عقیدت واحترام اور شرعی پابندیوں کے ساتھ منایا گیا۔ اس موقع پر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری، علامہ عبد الحفیظ صاحب سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور، علامہ بدر القادری مصباحی، مولانا مبارک حسین مصباحی، مولانا عبد الحق رضوی، مولانا شمیم الزماں، مولانا مجاہد حسین نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا اور شارحِ بخاری کی سیرت وشخصیت اور خدمات پر روشنی ڈالی۔ بعد نماز فجر آستانہ شارحِ بخاری پر قرآن خوانی کی گئی اور بعد نماز عصر شارحِ بخاری کے قدیم مکان سے جلوس چادر نکالا گیا، جس میں مقامی انجمنوں نے نعت ومنقبت پیش کی۔ یہ جلوس آستانہ پر جاکر اختتام پذیر ہوا۔ جہاں پر شجرۂ عالیہ قادریہ پڑھ کر صاحب سجادہ مولانا حمید الحق صاحب نے دعا کی۔ اس پروگرام کی خاص بات یہ تھی کہ مقررین نے متعینہ عنوانات پر تقریریں کی۔ ادیب شہیر مولانا مبارک حسین مصباحی نے مسلم نوجوانوں کی ذمہ داریوں کے تحت فرمایا کہ نوجوانوں نے ہمیشہ ایک تاریخ رقم کی آج کے دور میں انٹرنیٹ وغیرہ کے ذریعہ بھٹکتے نوجوانوں کو اسلام کے راستے پر لا سکتے ہیں۔ مولانا مجاہد حسین صاحب نے والدین کے حقوق کے تحت فرمایا کہ بچوں کی تربیت میں والدین کی ذمہ داریاں بہت زیادہ ہیں وہ اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کریں۔ عرس کے پہلے روز ایک شان دار نعتیہ منقبتی مشاعرہ کا اہتمام کیا گیا جس کی صدارت مفکر اسلام مولانا بدر القادری ہالینڈ نے کی۔

از: امیر الدین شمسی، کریم الدین پور، گھوسی

R.N.I. No. 29292/76 Regd. No.: AZM/N.P.28

THE ASHRAFIA MONTHLY

Mubarakpur, Azamgarh (U.P.) - 276404 (INDIA) Phone: (05462) 250092, 250149, Fax: 251448

http://www.aljamiatulashrafia.org E-mail: info@aljamiatulashrafia.org